خیالاتِ نادرہ

یعنی

انتخاب مضامین نثر و نظم زبان اُردو

بطرز جدید عام مفید

واسطے تعلیم طلبا مدارس اضلاع ممالک متحدہ

جسکو

رائے بہادر پنڈت شمبھو ناتھ ٹھلّل مرحوم

سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کانپور نے

تالیف کیا

[illegible] ہائے یونائٹڈ پراونسس اور پنجاب نے واسطے استعمال مدارس اعلےٰ

پسند فرمایا

سنہ ۱۹۱۸ء

اپوروکرشن بوس پرنٹر و پبلشر کے اہتمام سے

[illegible] انڈین پریس الہ آباد میں چھپکر شائع ہوا

فہرست مضامین

حصہ نثر

انتخاب از عزیز الآفاق

مولفۂ عزیز صمدی

پور کے محلۂ دارالعلم میں ایک سیاح کا ورود۔ اور ایک ہمدرد قوم کی مہماں نوازی

ک سیاح محقق مزاج کا بسبیل سیر و سیاحت نواب بنگش کی عملداری میں اور چندے اپنے مذاق طبیعت کے موافق علوم وفنون کی تحقیق و تفتیش میں س مقام پر جس سے جو حاصل ہوتا گیا اُسکو ضبطِ ذہن کیا موقع ملا لکھ بھی لیا۔ قت سے ایک ایسی آبادی میں جا پہنچا جس کے اطراف و جوانب پر ری ڈالنے سے خیال میں آتا تھا کہ بالضرور کسی وقت یہ مقام مردم خیز دی اُسکی اگرچہ مختصر ہی تھی مگر قرینہ اُس کا گواہی دے رہا تھا کہ بیشک فضلا و علما کبھی تھا۔ فضا بھی دلکش تھی پانی بھی اچھا تھا کھلا میدان و دی کے ہونے سے صحت و تندرستی بستی والوں کی اچھی نظر آتی تھی۔

بیشک پُرانے مکانوں اور ٹوٹی پھوٹی عمارتوں اور گری ہوئی حویلیوں کی کھنڈہر سے قیاس ہیں گذرتا تھا کہ اگلے زمانے میں بہت بڑا شہر ہوگا اور اسی کے لئے عُرفی نے یہ شعر کہا تھا۔ شعر

ازنقش[لہ] ونگار درودیوارشکستہ" آثار پدیداست صنادید عجم را

دریافت سے مقام کا نام دانش پور معلوم ہوا جس سے خیالات کو یقین کا درجہ ملنے کی اُمید ہوئی اور تصور پیدا ہوا کہ فی الواقع گذشتہ ایام میں عقلمندوں کی یہ بستی ضرور ہوگی جب تو ایسا نام تجویز کیا گیا۔ اسی خیال نے یہ حوصلہ دلایا کہ یہاں کے باشندوں سے ملنا چاہئے۔ اُن کی معاشرت اور تمدّن کا دیکھنا ضروری امر ہے۔ اور یہ بھی دیکھنا مدّ نظر ہوا کہ گذشتہ کیفیات (جن کی خیالی تصویر کھینچی تھی) اب کچھ باقی بھی ہیں۔ اور حال کا برتاؤ اور موجودہ انداز کیسا ہے۔ اخلاقی حالت کو تنزل ہے یا کوئی دوسرا رنگ اُس نے بدلا ہے

جا بجا گشت کرتے چکّر لگاتے ہوئے چراغ جلنے کے وقت آبادی کے اندر پہنچا ہوا۔ ایسے تنگ وقت میں جیسے بنا کچھ نہ کچھ دیکھ ہی لیا۔ جو نادر تاریخی بات (جس کی سیاحوں کو خواہش ہوتی اور اسی کے لئے قطع مسافت بعد کرتے پائی نہایت غور و تعمق سے ضبط ذہن کر لی اب یہ فکر ہوئی کہ کہیں قیام کیجئے اور اس کالے دشمن (رات) کے مہمان بنئے۔ اسی تردد میں عمدہ مقام کی تلاش تھی۔ اور تلاش میں یہ بھی منظور تھا کہ ایسی جگہہ رات بسر ہو کہ جہاں

[لہ] ٹوٹے پھوٹے درودیوار کے نقش اور تحریروں سے ایران کی قدیم تہذیب و عمارتوں کے نشان صاف ظاہر ہوتے ہیں۔

دلچسپی ہو۔ اور سیاح کی یہی دلچسپی ہے کہ تازہ حالات دریافت ہوں یا پرانی کیفیتوں کی تحقیق ہو۔ اسی تجسس میں ایک ایسے مقام پر وارد ہوا جس کو دارالعلم کہتے تھے۔ اور جب محلہ کا نام ایسا سُنا فوراً ذہن میں گذرا کہ آج مُنہ مانگی مُراد ملی۔ اور اس سے بڑھ کر کیا نعمت ملے گی یا ملتی کہ علم ہی کے گھر میں داخل ہو گیا۔ پس خدا کا شکر کر کے محلہ کے اندر قدم رکھا جس طرف نظر پڑی روشنی ہی روشنی تھی۔ رسمی چراغ بتّی کا ذکر نہیں۔ علمی طریق سے برقی مادّہ کے لیمپ روشن تھے۔ وہ صفائی تھی کہ رات کو ذرّہ اُٹھا لینا کوئی مشکل امر نہ تھا۔ مناسب وسعت اور ساخت مکانات کی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ تازہ ہَوا کا ہر وقت بآسانی گذر تھا۔ مکانات کا خوش قطع ہونا اُن کی اُونچی کرسی اور طرزِ عمارت سے ظاہر تھا اور گویا بزبانِ حال کہہ رہا تھا کہ بانی اور مکینِ مکاں خوش سلیقہ و خوش طبیعت ہے۔

ایک مکان کے قریب جا پہنچا تو ایک نہایت تمیز دار شخص نے تقدیم کر کے معمولی سلام کے بعد مصافحہ کیا اور مزاج پوچھکر عرض کیا کہ حضرت ظاہری انداز سے آپ تازہ وارد اور غریب الوطن معلوم ہوتے ہیں۔ بہت نا وقت ہو رہا ہے اگر فرودگاہ کا مناسب انتظام نہ ہوا ہو اور ناگوارِ خاطر بھی نہ ہو تو اسی گھر میں شب باشی فرما کے ماحضر کو قبول کیجئے اور میرے آقا و مخدوم مالکِ خانہ کو ممنون فرمایئے جس کی جانب سے میری یہی خدمت مقرر ہے کہ جو مہمان اس راستہ سے

گذرے اُس کو تکلیف ورود دیکر التماس قدوم کیا جاے۔ اور جو ہو سکے خدمت
کی جاے۔ میرے آقا کو منظور یہ ہے کہ اس پیرایہ میں سیاحوں سے ملاقات ہو
اور تجربے و واقعات جدید سُنے جائیں۔ اگر آپ نے میری عرض قبول نہ فرمائی
تو اُن کو خبر کرتا ہوں وہ آپ کو خود لے جائیں گے۔ اگرچہ اس تقریب کے
قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا مگر اس خیال سے نہ مانا کہ امرا کی صحبت اور
اُنکے آداب و تسلیمات و مجرا و کورنشات کی بوچھار ایسی تکلیف دے گی
جیسے اُس مسافر کو برسات کا پانی ایذا دیتا ہے جس کے پاس بارانی اور چھاتہ
نہ ہو۔ خادم نے گذرا ہوا حال عرض کیا تو مالک باوقار نے اپنے بڑے لڑکے
کو بھیج کر التماس قدوم کیا۔ اور اُس نے اُن مختصر الفاظ میں عرض کی کہ اس
کلفت خانہ کو اعزاز دیجئے اور سنت ابراہیمی کا ثواب لیجئے۔ اہل سخا ہمیشہ اپنے
احسان سے کسی کو محروم نہیں رکھتے۔ یہ الفاظ انکسار کچھ ایسے سچے خلوص
سے تھے کہ بے تامل اُس کی بعیت قبول کی اور سب لوگ اندر داخل ہوے۔
جس وقت احاطہ اور عام مکانات سے گذر کے خاص مقام تک پہنچے تو دیکھا
کہ ایک نگیرہ نہایت سادہ طور کا کھنچا ہے جس میں ایشیائی بناوٹ کو بالکل
دخل نہیں ہاں صفائی اور اُجلاپن ضرور تھا۔ دائیں بائیں کرسیاں اور جا بجا
دنگل پڑی تھی۔ جن پر نہایت نرم اور سادہ طریقے کے گاہے بچھے تھے۔ فرش
نہایت صاف و ستھرا تھا۔ تخت صدر نشین مقام ممتاز پر لگا تھا۔ مگر نہایت چھوٹا۔

مسند وتکیہ بھی ویسا ہی تھا آرایش یا سجاوٹ فضول کا نام نہیں۔ایک صاحب نہایت خودداری اور دلی انکسار کے ساتھ اُس پر متمکن تھے سیدھی سادی وضع نہ رندانہ اور نہ عالمانہ متوسطانہ سب رنگ ڈھنگ تھا۔نیچی داڑھی مونچھیں کتری ہوئیں قمیض وعباے عربی زیب تن کلاہ چار یاری سر پر بکمال حلم ووقار باعث اعزاز دربار تھے۔روشنی سے تمام دیوان خانہ بلکہ تمام محلسرا جگمگا رہا تھا۔ جس وقت مسافر سیّاح کو پیش نظر پایا وہ حضرت مسند سے اُٹھے لب فرش سے لیا اور تکلیف قدوم کا شکریہ بجالائے مزاج پوچھا مصافحہ ومعانقہ ہوا کیونکہ معمولی سلام تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔مسند کے قریب پہنچکر ارشاد کیا کہ اس کو شرف جلوس دیجیئے۔سیّاح نے نہایت ادب سے ہر تقریب ورسم استقبال کی نسبت مناسب وموزوں جواب دیا جس سے مالک خانہ کے دل کو مسرت اور اُس کی قابلیت کا یقین ہوا۔باوجود اصرار بلیغ کے شریک مسند نہ ہوا اور سامنے ایک کُرسی پر بیٹھکر امیر قدرداں کی مسافر نوازی کا شکریہ بجالایا جس کا جواب بھی ویسا ہی ملا۔تھوڑی دیر کے بعد سیّاح نے رخصت ہونا چاہا تو ارشاد ہوا کہ ابھی تو کچھ بات چیت ہوئی نہیں۔آپ نے اپنے ذخیرۂ خبرت سے کوئی حصہ عنایت فرمایا ہی نہیں ہے۔پھر آپکا تشریف لیجانا چہ معنی۔آمدن بارادت ورفتن باجازت آپ کے ملک کا کیا دستور نہیں ہے۔غرضکہ یہ اصرار اس درجہ بڑھا ہوا پایا گیا جس میں تکلف وتصنع نہ تھا مجبور آگیا بلکہ بمسرت تمام قیام شب قبول

کیا۔ بعد فراغ حوائج ضروری دسترخوان بچھایا گیا تو ادب وانکسار سے ہر شخص حاضر ہوا۔ ازاں جملہ امیر گردوں حشم کے چند صاحبزادگان والاشان بھی تھے۔ اُن کے طرز کلام وطریقۂ ادب سے ظاہر تھا کہ کسی بڑے لئیق اتالیق کے تعلیم دیئے ہوئے اور اپنے تہذیب یافتہ پدر عالی قدر کے زیر سایۂ شفقت تربیت پائے اور فیضان خدمت اکابر علما کا حاصل کئے ہوئے ہیں جس وقت یہ نونہالان باغ کامگاری تشریف لائے تقدیم کر کے سلام کیا اور مستفسر حالات سیاح ہوئے۔ اور ایسا طرز و انداز برتا جس سے سیاح دوست و مسافر پسند طبیعت پائی گئی امیر عالی قدر کا ارشاد ہوا کہ بعد تناول طعام یہ ذکر چاہیئے تاکہ سب کو حضرت کی کیفیت ظاہر ہوجائے اور مجھے اُس نعمت کا حصہ ملے جس کی تمنا ہے۔ کھانا بھی ذرا معمولی حد سے بڑھا ہوا تھا کوئی بناوٹ و تکلف ایسا نہ تھا کہ جس پر یہ مثل صادق آئے کہ سب کمائی چولھے کے نذر کر دی۔

کھانا کھانے کے بعد معمولی عطر پان ہوا جس کا جی چاہا وہ بیٹھا رہا جس نے چاہا چل دیا۔ جب معدودے چند خاص خاص اشخاص رہ گئے تو سلسلۂ تقریریوں شروع ہوا۔

امیر کبیر۔ (سیاح کی طرف مخاطب ہوکر) میں آپ کے تشریف لانے سے نہایت ممنون ہوا واللہ (یہ واللہ تکلفی نہ تھا بلکہ خالص طور پر) آپ نے وہ احسان فرمایا کہ کسی نے نہ کیا۔ کیونکہ سیاح نازک خیال ومعنی آفریں مزاج ہوتے ہیں

اُن کی خاطر خاطر کب کسی کی پابندی ہو سکتی۔ اُس کا خیال نہ فرما کے میرے بڑے بیٹے کی عرض کو قبول کیا کہ وہ محظوظ ہو کر آپ کو لے آیا۔ اب یہ عرض ہے کہ اپنی کیفیت مختصر سفر و سیاحت سے مجھے آگاہی بخشئے۔ نایاب و نادر زمانہ جو اشیاء دیکھی ہوں اُن کی حقیقت سُنائے۔ جن علما و صلحا ر قوم سے ملاقات ہوئی ہو اُنکی تھوڑی سوانح عمری بھی بتلائے۔ اور یہ بھی لحاظ رہے کہ بندہ آپ کو جلد یہاں سے تشریف لے جانے کی اجازت نہ دے گا۔

سیاح۔ اس فقیر کا نام سید عبدالکبیر ہے میرے بزرگ اور سرآمد اصفیا حضرت امام الحجہ شیخ الاسلام مولانا سید رفیع طاب ثراہ تھے۔ مشہد مقدس سے میرے بزرگوار ہندوستان میں تشریف لائے۔ مجھ سے پیشتر جو صاحب گذرے صاحب علم و عمل صوفی تجرد صفت عارف ملک سیرت اہلِ منصب و خطاب و جاگیر تھے۔ اُس خاندان کا ننگ و عار یہ درویش ہے۔

بلاد عرب سے اقصار ہند تک جس قدر شہر و قریئے ہیں سب میرے دیکھے ہوئے ہیں جو نادرات و عجائبات زمانہ دیکھے جن جن مصلحان قوم کی خدمت کی اُن کی کیفیت کہاں تک عرض کروں۔ اوراق سیاہ کر ڈالوں جب بھی خاتمہ نہ ہو اور اگر زبانی بیان کروں اور حالات واقعی بے کم و کاست بھی کہوں تو بھی غلو و مبالغہ پر گمان ہوگا۔ حضور نے سُنا ہوگا اور جانتے بھی ہیں کہ مسافر سیاح کی بات قابل وقعت کم ہوتی ہے مثل مشہور ہے (ع) جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ۔

میں نے تو اپنی زبان روکی ہے کچھ نہیں کہتا البتہ گوش شنوا و دیدہ بینا میرے قبضہ میں نہیں ہیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا یا معتبر روایتوں سے دریافت ہوا اپنے روزنامچوں میں بالاختصار لکھ لیتا ہوں کسی وقت حضور والا کے ملاحظہ شریف میں گذرانوں گا۔ ہاں یہ ضرور ارمان ہے کہ جناب کی قدسی انفاس کا فیضان اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کچھ زبان مبارک سے سُنوں یا تصنیف شریف دیکھوں مجھے تکلف کرنا نہیں آتا ورنہ میرے اُستاد نے اس کا سبق دیا اگر ایسا سبق لیتا تو دست و پا شکستہ اپنے ٹوٹے پھوٹے کھنڈہر میں بیٹھا رہتا اور اُسی کو تمام کائنات جانتا۔ حضرت کا جمال شریف یا تمام دنیا کے بدائع نہ دیکھ پاتا۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب اقدس کچھ ارشاد فرما کے فقیر مسافر کو احسان مند فرمائیں گے۔

امیر کبیر۔ کیا کہوں میں کون ہوں کس خلجان میں زندگی بسر کر رہا ہوں بس یہ تصور کیجئے کہ خدا کا بندہ آدمی برائے نام ہوں۔ آدمیت کے جو صفات ہیں وہ بالکل مفقود ہو رہے ہیں۔ اپنی قوم ادبار زدہ کی اصلاح اور اپنے ابنا ٔ جنس کے ساتھ ہمدردی اصل اصول انسانیت ہے وہ مجھ میں تو کیا کسی میں نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض کسی قوم میں ہو تو ہوا کرے ہماری شامت زدہ قوم تو گویا اس پر لعنت کہہ چکی تبرا بھیج چکی۔ جس طرح آتشبار ہتھیار سے کوئی شکار بھاگتا ہے یہ قوم اپنے جنس کی ہمدردی اور اصلاح سے کنارہ کر گئی ہے۔ ہمدردی کا لفظ کہہ کر اگر زنجیر سے بھی باندھو تو بلا مبالغہ یہ امر ہے کہ درخت کو جس میں زنجیر بندھی ہوئی ہے تڑا کے

بھاگ جائیں۔کھائیں خندق درکنار ساتوں سمندر بھی پھاند جائیں تب بھی تسکین نہ ہو۔اگر خدا کے بندوں سے کوئی بندہ باہمت پیدا ہو جائے تقریر و تحریر و زر خطیر کے وسائل سے اپنی سوتی قوم کو جگا کے راہ پر لانے کا بندوبست کرے پھر کیا کہنا اسی کے پیچھے اسی کے بھائی بند پڑ جاتے ہیں۔کوئی تکفیر کا فتویٰ لئے پھرتا ہے۔ کوئی توہین کر رہا ہے کوئی اس بیچارہ کے گذشتہ حالات کو نہایت بے حرمتی سے کہتا ہے۔کوئی صاحب ارشاد کرتے ہیں کہ کچھ اس میں غرض ضرور ہے۔ اجی حضرت غرض یہ کیا کچھ کم ہے کہ اپنی قوم کو اعانت پہنچے۔آنے والی نسلیں خواری و فرومانذگی میں اپنی حالت پریشان نہ کریں۔مجھے تو جناب اس کی پروا نہیں ہے۔چاہے مجھے فاسق و فاجر کہیں۔خواہ کچھ اور ہی خطاب دیں یا غیر مقلد لامذہب بنائیں۔آگے جانے دیجئے کافر بھی کہیں جو جس کے مزاج میں آئے کہے۔لیکن اتنا ضرور کہے کہ اس کا یعنی (میرا) کہنا یا اس کی تلاش بیجا نہیں ہے۔غمخواری و دردمندی ضرور ہے۔عمل چاہے کرے یا نہ کرے۔کسی نہ کسی وقت ضرور کچھ ہو رہے گا۔بہت پرانا قول مشہور ہے کہ شہر روم ایک دن میں نہیں بنا تھا رفتہ رفتہ سب کچھ ہو جائے گا۔

محنت

ازل سے سُنتے چلے آتے ہیں کہ آغاز دُنیا میں سب کی چین سے گذرتی تھی۔ طبیعت کی سادگی اور نفس کی پاکی ہر مخلوق کی پاسباں تھی۔ گُل پھولوں کے فرش پر سب سوتے تھے۔ لب جو تماشہ دیکھتے تھے صحرا میں سیر کرتے پھرتے تھے۔ چہروں پر بہار کی سی شگفتگی تھی۔ میوے لطیف و خوشگوار سب کی غذائیں تھیں رنج و محن کا وہاں گذر نہ تھا۔ طیور خوش الحان کا نغمہ سرور بخشتا تھا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد دغا نے اس باغ کو غارت کیا۔ حسد نے خزاں کی شکل آکر اُسکا سارا حسن لوٹا۔ ہر شخص کی غیر کے مال پر نظر پڑنے لگی۔ جب احتیاجات اسد کا خیال باقی نہ رہا زر جمع کرنے پر توجہ ہوئی پھر تو حرص و آز کی کثرت اس درجہ تک پہنچی کہ خرابی پھیلنے لگی۔ سال کی چار فصلیں ہو گئیں۔ قحط کا زور شور ہوا سب کی جان پر بنی۔ اس خستہ حالی میں محنت مدد کو آئی۔ اس کا چہرہ دیکھا تو ہوا زدہ گندم رنگ لیکن اعضا نہایت صحیح اور قوی پائے گئے۔ ایک ہاتھ میں کاشتکاری کے آلات لئے ہوئے تھی اور دوسرے ہاتھ میں معماری کے اوزار۔ آتے ہی اس نے اپنی کرخت آواز سے سب لوگوں کو یوں کھڑکھڑایا کہ اے اہلِ دُنیا بس بہت دن خواب آرام میں بسر کی۔ اب جاگو قحط و وبار سے جان بری کی فکر کرو۔ اس لئے میں آئی ہوں۔ کمر ہمت چست باندھو اندیشہ نہ کرو اسبابِ تحفظ

ساتھ لے آئی ہوں۔

یہاں تک تو متقدمین کی زبانی فسانہ ہے لیکن اس پیرایہ میں انسان کو محنت کرنے کا صاف صاف حکم ہے تاکہ ہر شخص لہو پسینا ایک کرکے اپنی نانِ جویں پیدا کرے۔ تب سے احتیاج و ضرورت نے خوب محنت لی۔ گرمی سردی بارش ہوا نے ستایا۔ آدمیوں سے غار کھدوائے جھونپڑے بنوائے۔ جب محنت کے عادی ہو گئے تو ہنر میں ترقی کی۔ مکان تعمیر کئے اُن میں درجے اور کمرے رکھے۔ پھر جب کسی قسم کا غم نہ رہا آسائش سے عیش کی سوجھنے لگی طبیعت رنگینی پر آئی۔ عمارتوں میں نئی نئی صورتیں نکالیں۔ مراتب میں حفظ تناسب کیا۔ آنکھ کی خلش مٹائی پھر کیا تھا نفاست کی منزل طے کرکے امارت کے سامان شروع کر دئے جہاں کاشت ہوتی تھی وہاں باغ لگائے۔ محنت کے نتیجے ایسے عمدہ نکلے۔

فائدہ کثیر کے واسطے قوا کو عمل میں لانا اور کسی معقول کام میں دل لگانا یہی محنت کی تعریف ہے۔ انسان کے دل کو خود قرار نہیں کچھ نہ کچھ ضرور سوچتا ہے یا کرتا ہے اور اس میں اُس کی ارادت نیک کو مطلق دخل نہیں ہوتا اس لئے محنت نہیں ہے لیکن کسی نیک نتیجہ کے واسطے طبیعت کو کسی کام کی طرف رجوع کرنا اور بغیر اُس کام کے تکمیل ہوئے دوسری طرف رُخ نہ کرنا سچی محنت ہے۔

جو سوداگر مال جمع کرنے کو مستعدی اور توجہ سے اپنا پیشہ کرتا ہے وہ محنتی ہے جو سپاہی موقعے اور گھات کی تاک میں لگا رہتا ہے اور ہوشیاری سے نصرت کے

سامان مہیا کرتا ہے اُس کو محنتی کہتے ہیں۔ اور طالب علم اسی حالت میں محنتی کہلاتا ہے جب وہ تحصیل علم میں برسوں دماغ صرف کرتا ہے۔

محنت کرنے سے تھکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ نفس کی تربیت اسی سے ہے اس وجہ سے محنت کو خصائل پسندیدہ میں شمار کیا ہے اور اس کی دو قسمیں کرلی ہیں جسمانی اور دماغی اگر طبیعت کے جھکانے سے کل انتظام عضلات پر زیادہ زور پڑے اور تھکاوٹ پیدا ہو تو وہ محنت جسمانی ہے۔ ورنہ اگر چند اعضائے رئیسہ مشغول ہوں اور قوائے دماغ پر زیادہ زور پڑے تو وہ محنت دماغی ہے۔ کیا رب العلا کی قدرت ہے کہ ہاتھ خاص کام کرنے کے واسطے بنائے اور پاؤں چلنے کو۔ حواس کو حراست سپرد کی کہ ضرر کو پاس نہ آنے دیں عقل کو کارفرمائی عطا کی کہ اور قوا کو مشغول رکھے۔ اور راد نتیجہ کیسا عمدہ نکلا کہ ریاض بدنی سے کامل اشتہا۔ آرام کی نیند۔ تندرستی۔ توانائی۔ بشاشت یہ سب باتیں حاصل ہیں۔ اور محنت دماغی سے حواس کے ترتیب ذہن کی ترقی اور نفس کی تکمیل و تہذیب سب ممکن۔ لیکن دونوں طرح کی محنت لابدی ہے اور ان کی شرکت پُر ضرور اور طبیعت کا رجوع ہونا ہر ایک میں شرط ہے۔ اگر صرف ریاضت جسمی کی جائے۔ تو عقل کند ہو جاتی اور حواس سست ہو جاتے ہیں۔ اور اگر محنت دماغی پر اکتفا کیا جائے تو دماغ کو تازگی حاصل نہیں ہوتی خشک ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے جسم و روح میں ایسا

بڑا تعلق ہے کہ جسم کی کمزوری قواے دماغ کو جلد ضعیف کر دیتی ہے۔

محنت باعثِ فرحت ہے۔ جیسی فرحت محنتی کو حاصل ہوتی ہے ویسی کاہل کو وجود کو میسّر ہونی ممکن نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جو اپنے بزرگوں کی محنت کا پھل چکھ رہے ہیں اُن کی کیفیت کیا ہے۔ اکثر دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ ایک شغل چھوڑ دوسرے پر دوڑتے ہیں۔ پُرانے کھیل سے طبیعت جلد ہٹ جاتی ہے۔ نئے نئے شوق پیدا کرتے ہیں اور پھر کسی میں چین نہیں ہوتا۔ جن کو شکار کا ذوق ہے اگر اُن کو شکار کے سوا کچھ اور نہ کرنے دیں تو یقین ہے کہ جلد اُن کا دم ناک میں آوے اور اگر اس قید سے نہ چھوٹیں تو جان دینے پر تیار ہوں۔ اسی طرح جن کو قمار بازی کی لت ہے اگر اُن کو صرف جوا کھیلنے پر برسوں تک مجبور کریں تو ضرور ہے کہ ایسے دل بہلانے سے درگذریں اور اینٹیں ڈھونے میں خوش ہوں۔ لیکن خداوند کریم کی قدرت کاملہ دیکھو کہ جس کام میں سچّا نفع ہے اُس سے برسوں طبیعت نہیں پھرتی۔ وُہی دُکان اور وہی کار جو بچپن میں لوگ شروع کرتے ہیں بڑھاپے تک کئے جاتے ہیں۔ اور اس میں ہر روز بشاشت اور تازگی اور ایک نئے لطف کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔

محنت سے دولت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ محنتی قوت لایموت کا محتاج ہو یا برخلاف اس کے کاہل کی زندگی مانند زرین بھی عیش سے کٹے۔ روپیہ وہیں تک کارآمد ہوتا ہے جہانتک کہ اس سے محنت میں ترقی ہوتی ہے

جس قوم نے بغیر ذاتی محنت اور لیاقت کے دولتمند ہونا چاہا ہے وہ جلد تباہ ہوگئی ہے کیونکہ روپیہ کا دست بدست گردش کرنا صرف قمار بازی ہے اگر روپیہ سے اشتعال محنت نہیں پیدا ہو۔ جن کے پاس آج ایک حبّہ نہ ہو اور کل دولتمند ہوجائیں تو عیاشی اور فضولی کے سوا اور کیا کریں گے اور وہ جو کل زردار تھے اگر آج کسی طمع میں پھنسکر کوڑی کوڑی کو محتاج ہوجائیں تو یقین ہے کہ حسرت ویاس سے جان دیں گے:

جو شخص کسی اچھے بڑے کام میں مصروف ہوتا ہے اُس کو اُمید نیک ہر دم رہتی ہے اور تھکاوٹ معلوم نہیں ہوتی اور انجام کو بیحد خوشی ہوتی ہے ایسے شخص کے افعال ایک خاص غرض سے ہوتے ہیں اور جب اُس کو ایک بات حاصل ہوجاتی ہے تو دوسرے کام کا سلسلہ شروع کردیتا ہے یہ ممکن نہیں کہ محنتی ہمیشہ خوش تقدیر ہو اور اپنی محنت کا اجر پائے۔ بڑے بڑے منصوبے یکایک بگڑ جاتے ہیں۔ اور مستقل مزاج بھی کبھی کبھی اپنی مشقت کا معاوضہ نہیں پاتے لیکن وہ جو جائز کام کو نیک طور سے کرتے ہیں اُن کا نفس اُن پر آفریں کرتا ہے۔ اُمید صحیح اُن کا دل رکھتی ہے اور ناکامی میں بھی اپنے نفس و عقل کے آگے ملزم و شرمسار نہیں ہوتے اِس سے بڑھ کر لطف زندگی اور کیا ہوسکتا ہے۔

محنت کے ساتھ استقلال شرط ہے۔ ہر ایک کام کو لوگ بڑے ذوق سے شروع کرتے ہیں لیکن ذرا سی بھی مشکلات اگر پیش آگئیں اور اُن کا اوّل

خیال نہ ہوا تو جوش سابق بالکل گھٹ جاتا ہے۔ بعض کی محنت اُنکے ساتھ مٹی میں مِل جاتی ہے اور بعضوں کا کیا کرایا تلوّنِ طبع سے خراب ہوجاتا ہے۔ ہمت ہارنا مردوں کا کام نہیں۔ لیکن درمیان میں دم لینا اور قوت حاصل کرنی ہر شخص کے واسطے پُرضرور ہے۔ کام میں عجلت کرنا محض غلط فہمی ہے۔ جلدی جو کام ہوتا ہے ناپائدار ہوتا ہے۔ جتنے عالم و کامل گزرے ہیں اُنھوں نے ایک ایک تصنیف میں برسوں صرف کیئے ہیں۔ جتنے صاحب فن ہو گئے ہیں اُنھوں نے اپنے کوچوں میں برسوں خاک چھانی ہے تب کچھ یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ طبیعت کی ذکاوت بھی بے محنت کئے عموماً بیکار جاتی ہے کتنی ہی عمدہ زمین ہو زراعت سب میں درکار ہوتی ہے۔ موجودات کا حال لکھنے والے کہتے ہیں کہ وہی چیز پائدار ہوتی ہے جو مُدّت میں پختگی پر آتی ہے۔ مضبوط درخت بہت روز میں بڑھتے ہیں اور جتنی زیادہ مدت میں نُطفہ قائم ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ حیوانات کی عُمر طولانی ہوتی ہے۔

بعض شخص ایسے نازک ہوتے ہیں اور بعض ایسے پست ہمت کہ جب اُن کو ایک بار راحت ملی تو اُن کا دل نہیں چاہتا کہ فرش آرام سے اُٹھیں اور جو کام شروع کیا ہو اُس کو پورا کریں۔ بعض ایسے ہیں کہ اوّل اُنھوں نے کمرِ ہمت کس کے بڑے غرّہ سے کام شروع کیا۔ لیکن ذراسی وقت جو واقع ہوئی تو مایوس ہوکر سب چھوڑ دیا۔ بہت سے ایسے ہیں جو ہر فعل کو طمع زر سے

کرتے ہیں اور اگر کسی امر میں صورت یافت نہیں پاتے تو اُس شغل کو بے سود سمجھتے ہیں۔اوروں کو دیکھا تو ہاتھ پاؤں ڈھیلے کئے اپنی کشتیِ عمر کو سیلِ دنیا پر چھوڑ دیتے ہیں یہانتک کہ وہ حوادث اور مصائب کے جھونکوں سے شکست اور تباہ ہوکر خلیج مرگ میں جالگتی ہے۔ جن کو کامیابی سراسر میسر ہوئی اُن کو دیکھا تو اُنھوں نے میدان اپنا سمجھ کر کمر کھول ڈالی۔ یہ نہ سمجھے کہ فضیلت اور ناموری ایک شئے نسبتی ہے۔ آج جو تم نے کیا کل شاید کوئی دوسرا اُس سے بہتر کر دکھائے۔ قدر و منزلت پائے۔ اگلے عز و وقار پیری میں تم کو یاد آئیں۔ اخیر وقت گمنامی شاق گذرے۔

لیکن یہ رنج اُن کے واسطے ہیں جو نام اور صلہ پہ مرتے ہیں ورنہ جو نیک کام کرنا فرض زندگی سمجھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو کسی کی کامیابی اور ناکامی سے غرض نہیں۔ وہ صرف انسان کی سعی اور محنت کا طالب ہے۔

حیوانات مطلق کو دیکھو۔ زنبور مہندس ہیں اور زاغ محاسب، تمام مرغ نغمہ سرا۔ مور و ملخ لشکر کش۔ اور بندر نٹ اور بازی گر۔ افسوس کہ انسان باوجود ملکۂ عقل کے کچھ نہ کر دکھائے۔ ہر شخص اگر اپنے ہی جسم میں نگاہ کرے تو دل کا دھڑکنا۔ حرکت امعاء اور دوران خون، سب محنت کی ضرورت پر دال ہیں۔ شغل و کار سے کُل عالم کا وجود و انتظام قائم ہے۔ اگر یہ چرخ نہ چلا جائے تو یقین ہے

کہ زمین و آسمان سب درہم برہم ہو جائیں۔

سفر

سفر کے فوائد ہر قوم کے حکما نے اس شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ اس مقدمہ میں پھر کچھ لکھنا خیالات متقدمین کی گویا نقل کرنا ہے۔ لیکن جن باتوں کو دل جلد قبول کر لیتا ہے اُسی قدر جلد وہ ذہن سے نکل بھی جاتی ہیں۔

ع نور علیٰ نور بود معنیٔ در پیش پا اُفتادہ را

اِس لئے اس مضمون کے لکھنے میں معذرت درکار نہیں ہے۔ بلکہ عجب کیا جو اس کے بیان سے ناظرین کو قند مکرر کا مزہ حاصل ہو۔

سفر کو کسی نے سقر کہا ہے۔ یہ مثل تب سچی تھی جب راہیں پُرخطر تھیں۔ اکیلے دوکیلے کا گذر نہ تھا۔ قافلے مہینوں کا سامان اور توشہ لیکر گھر سے چلتے تھے۔ منزلیں کڑی تھیں اور خورد و نوش کے واسطے کچھ اکثر مقامات پر مہیا نہ رہتا تھا۔ آفات ارضی و سماوی کا ہر وقت بڑا خوف تھا اور گھر سلامت پھر آنے کی اُمید کم ہوتی تھی۔ لیکن اب یہ سب خطرات اور مصائب رفع ہو گئے ہیں ریل اور تار برقی نے مسافت کو معدوم کر دیا ہے۔ اب ہر ادنے اور

اعلےٰ کے واسطے واقفیت اور تجربہ کار ذریعہ موجود اور سہل الحصول ہوگیا ہے۔

عزم سفر میں بڑی خوشی حاصل ہوتی اور اُس کی تیاری میں نہایت سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن سیرگاہ اور منزل مقصود کا تجویز کرنا ذرا عقل کا کام ہے اگر کسی شہر میں گئے اور وہاں کے مقبرے دیکھتے پھرے، لیکن مدفون کے نام ونشان سے آگاہ نہ ہوئے تو سیاحی کیا کی بیگار ٹالی۔ جس کے حال سے کچھ ہم کو آگاہی نہیں۔ خواہ وہ شاہ ہو یا گدا۔ ہماری نظر میں یکساں ہوگا۔ نام اُس کا اگر معلوم بھی ہوا تو ایک آواز سی کان میں آوے گی۔ لیکن اُس کوشش کر ممکن کیا کہ دل کو شگفتگی حاصل ہو یا اس میں درد پیدا ہو۔ اگر کسی ایسے شخص کے مزار کو دیکھنے جاویں جس کی سرگذشت سے ہم واقف ہوں جو ہمکو عزیز تھا۔ ہمارا ساتھا۔ یا جس کا سا ہم ہونا چاہتے ہیں تو اُس کا نام بہت اثر کریگا۔ ممکن ہے کہ تُربت کو دیکھتے ہی دریاے دل جوش میں آوے اور آدمی اُس وقت خواب غفلت سے چونک اُٹھے۔

اگر علم وفن کی تحصیل کے واسطے سفر اختیار کیا ہے تو شوقِ معلومات سفر کا باعث ہوا اور علم اُس کا نتیجہ۔ اِس وجہ سے علم کو وجہ سفر اور نتیجہ سفر دونوں کہنا بجا ہے۔

دنیا کی نادر چیزیں دیکھنے کو جب ذی استعداد شخص سفر کرے گا تو اُس کی

کوشش ایک جاہل سیاح کی گشت سے کہیں مختلف ہوگی محض ناواقف کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوتی ہیں۔ باریکیوں پر اُس کی نگاہ نہیں جمتی۔ اس لئے بلاشک عجائبات دیکھنے کے واسطے نگاہِ علم درکار ہے۔

نوجوانوں کے لئے سفر جزو تعلیم ہے اور پختہ کاروں کے حق میں باعث تجربہ۔ کسی مُلک میں بغیر وہاں کی زبان جانے ہوئے سفر کرنا گویا مکتب میں الف بے شروع کرنا ہے۔ ہر گلی کوچہ میں ذرا ذرا سی بات چیت دریافت کرنی پڑے تو نہایت اُلجھن ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی زبان داں سنجیدہ مزاج وہاں کا رہنے والا مل جائے تو اُس کو ساتھ رکھنا بہتر ہے۔ وہ بتلاتا جائیگا کہ کیا کیا چیزیں اُس مُلک کی دیکھنے کے لائق ہیں اور کن کن شخصوں سے رسم ملاقات پیدا کرنی لازم ہے۔

دیکھنے کی چیزیں اول تو یہ ہوتی ہیں۔ دربار شاہی خصوصاً جب کہ سفیر غیر ممالک کے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے ہوں۔ عدالتیں جہاں کہ اُمورِ متنازعہ فیصلہ کے واسطے پیش ہو رہے ہوں۔ بعد ازاں عبادت کا طریق مسجدیں مقبرے خصوصاً وہ جن میں لوح اور نقش موجود ہوں۔ شہر پناہیں۔ قلعہ جات۔ بندرگاہ۔ صنادید شہر۔ کتب خانے۔ مدارس۔ مجالس۔ مشاعرے۔ مناظرے اگر ہوتے ہوں۔ افواج بحری اور بری کی قواعد۔ سلاح خانے۔ سوداگروں کی کوٹھیاں اور کارخانے مہاجنوں کی دوکانیں۔ تماشہ گاہ۔ جہاں شریف

جمع ہوتے ہوں۔ شاہی توشہ خانے اور ہر قسم کی نادر چیزیں جو قابل دید ہوں
جلوس ضیافتیں۔ شادیاں۔ جنازے۔ ان سب نمائشوں کے دیکھنے کا موقع
ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔

اگر ممکن ہو تو کوئی کتاب جس میں اُس ملک کا بیان ہو اپنے پاس رہے
تاکہ وہ نسخہ سیاح کا رہبر ہو اُس کی کُلّیہ تحقیق کا روزنامچہ بھی لکھنا ضروری
سمجھا گیا ہے کہ اس میں ایک شخص کے سفر سے سیکڑوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک
مقام سے دوسرے مقام کو جاتے وقت کسی رئیس شہر کے نام اگر سفارش کا پرچہ
مل جائے تو بڑی بات ہے۔ کیونکہ جب وہاں پہنچو گے تو وہ لُطف و عنایت
سے سب سامان تم کو مُہیا کر دے گا۔ ہر مقام میں کسی نہ کسی سے شناسائی
پیدا کرنا ضرور چاہیے۔ خاص کر وہاں کے کارپردازوں سے یا غیر ملکوں کے
سفیروں سے جو وہاں مقیم ہوں۔ ان سفیروں کی صحبت میں بہت سے اور
شہروں کا احوال معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اِن کے جو وہاں کے علما اور فضلا
مشہور ہوں اُن سے تعارف پیدا کرے۔ اگر اُن سے کچھ بہرہ ور ہونا مقصود
نہ ہو تو بھی اُن کی شُہرت اور اصل کیفیت میں جو کچھ فرق ہو گا دیکھ لو گے۔

جب انسان سفر سے پھرے تو لازم ہے کہ جن شخصوں سے شناسائی اور
ملاقات پیدا کی ہو اُن سے خط کتابت جاری رکھے تاکہ سلسلۂ واقفیت نہ ٹوٹے
اگر سفر سے پلٹنے کی جلدی ہو تو سفر اختیار کرنا بیکار ہے کیونکہ عجائب اور

عجائب کے دیکھنے میں عجلت کرنا سراسر حماقت ہے۔ جتنا دیکھو گے اُتنا زیادہ نظر آوے گا۔ ایک راست گو سیاح کسی نفیس عمارت کو شہر ایتھنس میں دیکھنے گیا اُس کا بیان ہے کہ میں نے اُس کو دیکھا اور دیکھا اور پھر دیکھا اور ہر بار مجھکو کچھ زیادہ دکھائی دیا اور ہفتوں اُسی کو دیکھا کیا۔ دو اور سیاح ایک روز آئے ایک نظر دیکھ کر فی الفور غائب ہو گئے اور اپنے نزدیک جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ چکے لیکن مجھکو افسوس ہوا کہ وہ اب اپنے ذہن میں اپنے کو واقف کار سمجھیں گے غلط فہمی پر نازاں ہوں گے اور اس عمارت کی نسبت اب کسی دوسرے کی کب سُنیں گے اور اُس کے بیان کو صحیح کب مانیں گے۔

سفر کرنے میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ دل کو سکون و قرار حاصل ہوتا ہے اور ایسا کہ اور کسی طور سے حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اپنی جائے سکونت ہر شخص کو معدن افکار رہتی ہے۔ بچپن سے وہ وہاں کی شیرینی اور تلخی چکھا ہوتا ہے اگر دوستوں کی شادی سے خوشی ہوتی ہے تو لخت جگروں اور یاروں کی مفارقت کا قلق کیا کم ہوتا ہے۔ ایسی جگہ بے تعلق کون رہ سکتا ہے لیکن علائق سے بری ہونا روح کی ترویج کے واسطے پر ضرور ہے اور سفر ہی میں کچھ دن تک بے کھٹکے رہنا اور فکر سے آزاد ہونا ممکن ہے۔ نئی نئی سرزمین پر قدم رکھنا بے فکری سے اِدھر اُدھر گھومنا تماشا دیکھتے پھرنا۔ انھیں باتوں سے بشاشت حاصل ہوتی ہے۔ معمولی افکار کا غم نہیں ہوتا۔ ذمہ داری کا ڈر

نہیں ہوتا اور بے تکلفانہ ملنا جلنا سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہر پیشہ و حرفہ کے آدمی جب وطن سے باہر نکلتے ہیں تو آدمیت اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور طوقِ ذلت پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اجنبی سے جب ملتے ہیں تو بے خوف اور آزادانہ ملتے ہیں اور وہ بھی چونکہ اِن کے رتبہ اور مدارج سے آگاہ نہیں ہوتا اس لئے ان سے ہم کلام ہونے میں ننگ و عار نہیں سمجھتا بلکہ لُطف و نوازش سے پیش آتا ہے۔

مختلف طبیعتوں کا مختلف قوموں کا باہم ملنا باعث نشاط ہوتا ہے۔ زبانوں کا اختلاف، وضعوں کا نیا رنگ، چال کا نیا ڈھنگ، مذہبی رسومات کا نیا طریق، معاشرت کا نیا طور، ملک کا نیا انتظام یہ سب توجہ کو بڑھاتے ہیں اور تفکّرات کو بالکل دفع کرتے ہیں۔

غیر ملک کے لوگوں کی باتیں سُننے میں بڑا لُطف اُٹھتا ہے۔ بچّے سے بوڑھے تک کا لہجہ اور رذیل سے شریف تک کی بولی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ غیر زبان کے زبون محاورہ میں بھی ایک قسم کا حُسن معلوم ہوتا ہے۔ اور معمولی اشتہارات اور دُکانوں کی تختیاں تک پڑھنے کو جی چاہتا ہے، ادنےٰ ادنےٰ بات خیال کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

ایک قوم دوسری قوم سے آشنا ہو کر فائدہ کثیر اُٹھاتی ہے۔ ہمیشہ سے ایک قوم نے دوسری ہم جوار قوم کی تعلیم کی ہے اور چونکہ انسان ایک حیوان

ناقل ہے اس لئے خوبیوں کی نقل میں دوسری قوم کی بد رسمیات اختیار کر لینے کا بھی ہم کو اندیشہ رہے تو بہتر ہے۔ رسم بد فاسد ہوا کی طرح بہت جلد پھیلتی ہے اور صفا امتیاز اور شائستگی بڑی مدت میں جاگزیں ہوتی ہے لیکن اتنی خیریت ہے کہ نیکی قیام پذیر ہوتی ہے اور زبونی چندروزہ۔

مختلف قوموں کی کیفیت دیکھنے سے ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ اکثر قوموں کے اوضاع اور اطوار میں اختلاف بہت کچھ ہے لیکن مشابہت بھی کہیں زیادہ ہے جتنا دو قومیں باہم ملیں گی اُتنا باہمی تنفر روز بروز کم ہوتا جائے گا اور حسن سلوک روز افزوں ہو گا۔ سفر کو اس لئے قاطع تعصبات کہیں تو بجا ہے۔

عزلت یعنی گوشہ نشینی

جس کو دیکھو یہی خواہش رہتی ہے کہ چند روز میں مشقت کر کے اسباب آسائش جمع کر گوشہ گیر ہو جاتے۔ دُنیادار اسی خیال میں عاری عمر گذارتے ہیں اور اُن کو نوبت گوشہ نشینی کی نہیں آتی۔ افکار سب کو پابہ زنجیر رکھتی ہیں اور موت یکایک کل سلسلۂ خیال کو توڑ دیتی ہے۔

وہ لوگ جو دُنیا کے سب حظ اُٹھا چکے ہیں اپنی سعی اور کوشش سے بلند اقتدار ہوئے۔ جنھوں نے اپنے اعزا اور اقربا کی پرورش کی۔ ہم قوموں کی

فلاحت کی فکر کی ننیچ اونچ زمانہ کا سب دیکھا وہ اگر پیشتر اس کے کہ پیمانہ اُن کی عمر کا چھلک جائے خمِ عافیت میں نشست اختیار کریں تو کچھ معیوب نہیں ہے۔ نیک کام کرنے میں اوّل تو عجب سرور حاصل ہوتا ہے اور بعد ازاں اُس کی یاد میں اور بھی وفورِ عیش ممکن ہے۔ ایسے لوگوں کا گنج راحت میں بیٹھنا اوروں کو رشک دلاتا ہے۔

وہ مردِ میدان جو اپنے ملک کی حراست کرتے کرتے بوڑھے ہوئے دشمنوں سے معرکہ آرائی کیا کئے۔ سیکڑوں بار جان پر کھیل گئے۔ اجل سے نہ ڈرے۔ وہ اگر اپنے دلِ زار اور استخوانِ شکستہ کو آخر وقت کچھ آرام دیں تو مناسب ہو گا۔ ایسے شجاع جب اپنی عمر پیوستہ پر نظر کریں گے تو کیونکر دل اُن کا شاد نہ ہو گا۔

وہ مشیر و وزیر جو برسوں مقرب سلطان رہے۔ اعلےٰ درجہ کی شان و شوکت دیکھتے دیکھتے تھک گئے۔ جن کو اب کچھ حوصلہ اور ارمان نکالنا باقی نہ رہا۔ کسی بات کی حرص نہ رہی۔ جنھوں نے کُل قوم کے نفع کو خاص اپنا فائدہ سمجھا۔ بچّہ سے کُہن سال تک سب کے عزیز ہوئے۔ خُلقِ عام سے تسخیر قلوب کی۔ وہ اگر دُنیا سے کنارہ کش ہوں تو اُن کو کتابوں کی صحبت میں جمعیت خاطر اور خاص خاص دوستوں کی ہم نشینی میں حظِ وافر ضرور حاصل ہو گا۔

لیکن چونکہ دانا لوگ خلوت پسند، گوشۂ تنہائی کی بیحد تعریف کرتے چلے آئے ہیں اِس لئے عیش پسند ہو، خواہ رئیس مہاجن ہو خواہ تاجر سب کو یہی چاہ رہتی ہے کہ ہم بھی وَرشتہ خو ہو جاتے۔ جو گوشہ نشینی کے بڑے مدّاح ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ ایسی مدح سے کُل اولادِ آدم کا وقار گھٹا جاتا ہے کیونکہ اُن کا فرمانا ایسی قدر تو ہے کہ سب سے بڑھ کر اچھا عیش کا سامان اگر انسان کی صحبت ترک کر دو تو حاصل ہو۔ اِس دُنیا میں آپس کی دستگیری کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔ بلکہ ایک دوسرے سے ضرر کا خوف وخیال ہر وقت رہے تو اچھا۔ احباب اور یگانوں کا لُطف و اتحاد سب کچھ ہو۔ لیکن لوگوں کے بغض وحسد کا ہمپلہ نہیں اور حفاظت جان وتن کے واسطے مصائب وخطرات مجالست اُٹھانا سخت ناگوار و شاق ہے۔

ایسی شوخ بیانی اس قدر اثر کرتی ہے کہ لوگ عموماً فوائد عزلت کے تصور ہی میں دن کاٹتے رہ جاتے ہیں۔ مزہ سے آگاہ نہیں ہوتے۔ فکر معیشت دامنگیر رہتی ہے۔ لیکن اسی پردہ میں کریم مطلق کی اُن پر عین رحمت سمجھنا چاہیئے۔ شعر

ندارد با تعلق سود دست افشاندن از دنیا
کہ آزادی گرفتاریست مرغِ رشتہ برپا را (صائب)

لیکن بہت سے اُن کو صاحب عزم کہو یا کج فہم کہو ایسے بھی ہوتے ہیں

جو ایک بار کی سب چھوڑ کونے میں بیٹھ رہتے ہیں تاکہ آسودگی میں زیادتی علم میں ترقی یا کوئی کا درجہ فضیلت حاصل ہے۔

بہت لوگ اس غرض سے کنارہ کش ہوتے ہیں کہ نفس امارہ کے عمل میں کوئی شئے نہ حارج ہو۔ جو متکبر ہیں اور تند خو اُن سے دُنیا کے سلوک اور برتاؤ میں سر جھکایا نہیں جاتا اس لئے آزادی ڈھونڈتے ہیں۔ نازک دماغ اور عیب گیروں سے دُنیا کی سختی فحش اور حیوانیت سہی نہیں جاتی۔ اس لئے انسان کی صحبت سے بھاگتے ہیں۔ لیکن دیکھو تو ان لوگوں کو تنہائی میں چین کہاں۔ تھوڑے دنوں میں اہل تکبر کو ناموافقوں کے ساتھ خوشامدی اور دوستوں کے چھوڑنے کی پشیمانی ہوتی ہے۔ پھر نئی صحبتیں تلاش کرنے آتے ہیں اور جو دوسروں کے عیوب کی جستجو میں رہتے تھے اُن کی نگاہ جب اپنے ہی قلب سیاہ پر دوڑنے لگتی ہے تو حیران ہو کر دُنیا میں پھر جا ملتے ہیں بعض شخصوں کو دیکھئے تو مدبران سلطنت اور منصوروں کی پیروی پر غش کرتے ہیں اور اس قدر نہیں خیال کرتے کہ ایسے لوگوں کی پیروی لاحاصل ہے ان کا خلوت نشیں ہونا کشاکش روزگار سے بچنا نہیں ہے۔ یہ لوگ آرام صرف اس لئے چاہتے ہیں کہ قرار خاطر پا کر اپنے ملک کے فائدہ کے لئے برسوں منصوبے سوچا کریں نہ کہ ملک کی حفاظت اور اعانت سے ہاتھ اُٹھائیں۔

ایک اور فرقہ ہے اور وہ خلوت گاہ کو مادر حکمت سمجھتا ہے۔ برہمن حصول

کمال کے واسطے ہمالہ میں گوشہ گیر ہوتے ہیں اور مسلمان کعبہ میں مشغولِ عبادت اور ساعیِ نجات۔ اس میں شک نہیں کہ علم حاصل کرنے میں ہر شخص کو خواہ وہ امیر ہو خواہ محتاج بہت سے ہرج واقع ہوتے ہیں۔ غریب کو فکرِ شکم پروری مانع ہوتی ہے اور امیر کو اپنا منصب و اقتدار باعثِ خلل ہوتا ہے۔ جو کسی کے محتاج نہیں اُن کو بھی رسم و رواج کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ کچھ نہیں تو عوام کے دل رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زر و دولت ہمہ نعمت خرید ے۔ لیکن علم بغیر مطالعہ کئے حاصل نہیں ہوتا اور مطالعہ خلوت ہی میں خوب ہو سکتا ہے۔ اس لئے علم دوست گوشہ نشینی اختیار کرکے نہیں پچھتاتے۔ خلوت میں خاموشی ایک طرف اور دوسری طرف غور و تامل ممکن ہے۔ ہزاروں مولوی اور پنڈت اسی خیال سے مختلف مقاموں میں چھپے بیٹھے ہیں۔

تنہائی میں تحصیلِ علم کا اچھا موقع ملتا ہے مگر عمل اُس کا بغیر ملے جلے نہیں ہو سکتا۔ وہ عالم کس کام کا جس کو شوقِ معلمی نہیں اور وہ کیا سکھاوے گا جس کو فنِ گویائی نہیں حاصل ہے۔ علم نے بھی عموماً جماعت ہی میں ترقی پائی ہے۔ گوشہ نشین ہر امر میں اپنا پہلا تصور مصدق سمجھے گا کیونکہ اعتراض کی اس تک پہنچ نہیں ہے۔ اپنی تحصیل پر نازاں ہو گا کہ کوئی سامنے اُس کے ہمسر نہیں اور وجہ رشک اور باعثِ اشتعالِ محنت نہ پاکر مشقت سے جلد او بھے گا سیر ہو کر بیٹھ رہے گا۔ اس لئے تخمِ حکمت چمنِ تنہائی میں بو دیا جائے لیکن زراعتِ علم صرف

کشت و دنیا میں ممکن ہے۔

زاہدوں کا جہاں زُہد و تقویٰ ہے وہاں گوشہ نشینی بھی فرائض میں شمار کر لیگئی ہے۔ عابدوں کی نیت پر رائے دینا ہر ایک کی مجال نہیں کیونکہ یہ وہ فرقہ ہے جو دُنیا کا طلبگار نہیں جس کو عیش و آرام سے سروکار نہیں۔ یہ اس لئے دُنیا ترک کرتے ہیں کہ فراغت سے اُس کی عبادت میں صبح و مسا بسر کریں۔ اپنے افعال کی سخت نگہداشت کریں۔ تائب سے زنگ دل کو صاف اور خیالات کو پاک کریں۔ وہ جو اس دار فنا کو ہیچ سمجھ کر دار بقا کے سفر کے لئے توشہ جمع کرتے ہیں اُن کی روش کو نگاہ اعتراض سے دیکھنا عین کفر ہے۔ لیکن دُنیا کا حال دیکھ کر عیوب کی نئی نئی ادائیں اور بے باکیاں روز افزوں پا کر کون چاہے گا کہ نیکی اپنا منظر پاک نظر خلائق سے چھپائے اور کونوں میں چھپ کر اپنے اصلی فرض سے دست بردار ہو۔ کون نہ چاہے گا کہ وہ سر اُٹھا کر راہ ثواب میں پاؤں اُٹھائے اور اپنے چہرۂ سعادت سے سب لوگوں کا رہبر ہو۔

طہارت اور اتقا گوشوں میں ایسی ہوتی ہے جیسے پھول، دشت و کہسار میں ان کی خوشبو برباد ہوتی ہے یا اُن ارواح کے دماغ کو معطر کرتی ہے جو جہاں آفریں کے کارخانے دیکھتے پھرتے ہیں لیکن بشر کے مطلق کارآمد نہیں۔ وہ جن کے سینے عقیدت سے بھرے ہیں اور ارادت نیک سے مسلح محافظ نوع بشر ہیں اُن کا گوشہ گیر ہونا ایسا ہے جیسا کہ دلیروں کا میدان جنگ سے مُنہ موڑنا۔

حسد

اِس رذیلت سے سب لوگ آگاہ ہیں۔ وہ بدی جو دوسرے کی نعمت کے زوال چاہنے میں کسی شخص سے ظاہر ہوتی ہے اُس کو حسد کہتے ہیں۔ اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ حاسد کو خود اُس نعمت کے حصول کی آرزو ہو۔ یہی ایک خیانت ہے جو ہر وقت اور ہر محل پر صرف کی جاسکتی ہے اور یہی ایک خواہش بد ہے جس کے واسطے تحریک اور اشتعال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حاسد کی آنکھ ہر شے پر پڑتی ہے اور اُس سے کوئی نہیں بچتا۔ ممکن نہیں کہ نام کسی شخص کا جس نے اپنے نیک کاموں سے شہرت پائی ہو حاسد کے روبرو لیجئے اور اُس کے جگر میں دود حسد شعلہ کی طرح نہ بھڑک اُٹھے۔ دولتمند سوداگر جو کسی کے لینے دینے میں نہیں ہوتے اُن کو بھی ایسے مل جاتے ہیں جو برملا کہہ اُٹھتے ہیں کہ اُس کی دولت و ثروت کا کیا اعتبار جس کا تختہ بادامواج پر رواں ہو جس کو ہر وقت فنا کا خوف لگا ہو۔ جمالِ پاک و سادہ نیکوئی کے لباس میں آراستہ کب کہیں دیکھا گیا کہ لوگوں نے اُس کی نسبت شک اور اپنی بدگمانی نہ ظاہر کی۔ صاحب طبع وذکا کیسا ہی ناظرین کے محظوظ کرنے کی فکر کریں اور اپنی عرق ریزی پر شاداں وخنداں ہوں تاہم بعض لوگ اُن کی کامیابی پر خار رکھاتے ہیں اور اُن کی نسبت خلق کی واہ واہ

سُنکر اپنی ہی آگ میں آپ جلے جاتے ہیں۔

جس میں آپ کوئی خوبی نہیں وہ دوسروں کی خوبیوں کو نگاہ حسد سے دیکھتا ہے۔ جو عالی خاندان ہیں وہ نئے دولتمندوں سے حسد کرتے ہیں کیونکہ اُن میں ظاہرا تفاوت کم ہو جاتی ہے۔ کریہ منظر۔ بیڈول۔ بدنسل۔ اور بوڑھے اکثر حاسد ہوتے ہیں کیونکہ جن کو اپنی حالت درست کرنے سے مایوسی ہوتی ہے وہی حتی الوسع دوسروں کے نقصان کے طالب رہتے ہیں جو ہم پیشہ ہیں اُن میں سے اگر کسی کی رونق بڑھ جاتی ہے تو اور سب اُس سے حسد کرنے لگتے ہیں کیونکہ اُس کی گرم بازاری اِن کو اپنی کساد بازاری کی ہر وقت یاد دلاتی ہے۔"

بعض دُنیا میں کم محسود ہوتے ہیں اور بعض زیادہ۔ مثلاً اگر لائق و فائق لوگ عالی مناسب پر سرفراز ہوں تو اُن پر لوگ کم حسد کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کا حق سمجھا جاتا ہے۔ مقابلہ ہمسروں میں ہوتا ہے رعیت کو بادشاہ پر حسد نہیں ہوتا بلکہ بادشاہ بادشاہوں پر حسد کھاتے ہیں۔ جن کو بڑی مصیبتیں جھیلکر عزت اور دولت ملتی ہے وہ کم محسود ہوتے ہیں۔ کیونکہ سب کو اُن پر رحم آتا ہے اور رحم کی ہوا حسد کے دُھوئیں اُڑا دیتی ہے۔ لیکن زیادہ تر محسود وہی ہوتے ہیں جو اپنی منزلت اور حشمت کی نمایش کرتے پھرتے ہیں۔ مُدمغ تو اس بلا کو خود اپنے سر پر لاتے ہیں لیکن جو عاقل ہیں وہ ہر ایک کے آگے سر جُھکانا

اپنے مرتبہ کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں۔

حسد ایسا عام ہو رہا ہے کہ اکثر ہماری نگاہ میں نہیں کھٹکتا۔ اِس لئے جب تک ہم خود محسود نہ ہوں تب تک اس بدی کا اندازہ کر لینا نہیں ممکن ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک بار بھی اِس کی آنچ میں آجاتا ہے تو حاسدوں سے بالکل نفرت کرنے لگتا ہے تب سمجھتا ہے کہ اگر اِس بدی کی جڑ ہمارے دلوں میں باقی نہ رہے تو سب کے لُطف زندگی میں بڑی ترقی ہو۔

حسد کی پرورش خوشی کے واسطے نہیں ہوتی کیونکہ اس کے نتائج شرمندگی غم بیقراری ہیں۔ یہ مرض ایسا ہے کہ انسان کی طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔ جب سب کو خوشی ہوتی ہے تو حاسد کو رنج ہوتا ہے۔ حاسد کا مذاق عجب اُلٹا ہے وہ اپنے ہم جنسوں کے کمال پر خار کھاتا ہے۔ جوانی۔ حُسن۔ رُتبہ دولت۔ ذکاوت لوگوں کی اُس کو ناخوش کرتی ہے۔ اگر بڑے آدمیوں کے عیب نکالنے میں حاسد کامیاب ہوتا ہے تو کچھ اُس کو تسکین سی ہو جاتی ہے۔ ورنہ جس کو حاسد دیکھا ہر وقت اُس کو ناشاد دیکھا۔

اگر ایک عیب دوسرے عیب کی اصلاح کے لئے اختیار کیا جائے تو کچھ زیبا نہیں لیکن حسد ایسا زبون ہے اصل میں اور ایسا شر انگیز نتیجے میں کہ اس پر اور ہی کسی عادت کا غالب ہونا بہتر ہے۔ اس لئے ہمیشہ یاد رہے کہ جو حسد کرتا ہے وہ دراصل اس حرکت سے محسود کی بزرگی کا مقر ہوتا ہے

پس کاشکے غرور ہی حسد کا مانع رہے۔

حسد کی یہ وجہ نہیں ہوتی کہ کسی نے اپنے فرائض ادا کرنے میں کمی کی اور اس لئے سیکڑوں حاسد پیدا کئے بلکہ وہ بیچارے جو ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے کی جرأت کرتے ہیں وہی زیادہ محسود ہوتے ہیں۔ حسد خالص بدی ہے اور حاسد بُرے ذریعوں سے بُرا کرتا ہے وہ اپنی آسودگی اسقدر نہیں چاہتا جس قدر اوروں کی زحمت کا طالب رہتا ہے۔

تقسیم محنت

آدمی ایک دوسرے کو الزام دیا کرتے ہیں کہ تم وقت ضائع کرتے ہو اور زندگی کو خراب۔ سب اپنے ہمسایہ کے پیشہ کو ہیچ سمجھتے ہیں اور مطلق توجہ کے لائق نہیں شمار کرتے۔ ایک فلسفی کا قول ہے کہ مَیں نے دو شخصوں کو دیکھا جن کے قد مثل شمشاد تھے اور چہرے گلرنگ۔ دونوں علی الصباح اٹھکر دن بھر پتھر رگڑا کرتے تھے۔ مجھ کو افسوس ہوا کہ خدا نے اِن کو عقل دی نطق عطا فرمایا انسان بنایا مگر افسوس یہ دونوں یوں دن کاٹتے ہیں۔

مصوّر اور شیر کی سی اگر مثل ہوتی یعنی اگر وہ کاریگر بھی لکھے پڑھے ہوتے تو شاید یہ کہتے کہ ہم دُکان پر سے ایک شخص کو روزمرہ دیکھا کرتے تھے جس کو

سہلانی اہلِ مذاق فلسفی مشہور کریں۔ اُس کے چہرے پر فکر برستی تھی اور سنتے تھے کہ اُس کے یہاں آدھی رات تک چراغ روشن رہتا ہے۔ ہم سمجھے کہ بڑی محنت کرتے ہوں گے لیکن چونکہ اُن کے ہاں اوزاروں کی کھڑک نہ معلوم ہوئی اس لئے ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ حضرت کیا کیا کرتے ہیں دریافت ہوا کہ وہ تو طبائع انسان کا حال لکھا کرتے ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ اُن کے لکھنے پر بھی آدمی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے کہ قبل تحریر کے لیکن یہ رات رات بھر جاگتے ہیں کہ ایک جملہ درست ہو، دس دس دفعہ پڑھتے ہیں کہ ایک فقرہ چپست ہو اگر کسی لفظ کے استعمال میں شک ہوا تو اِدھر اُدھر پوچھتے پھرتے ہیں۔ دوستوں کو جا بجا سے اپنی تصنیف سُناتے ہیں اور اگر انھوں نے تعریف نہ کی تو افسردہ ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ سُنکر ہم بڑے متعجب ہوئے کہ ہیں اس دوا دوش کثیر کے بعد ایک چھوٹا سا نسخہ تیار ہو اور پھر بھی سب کو اُس سے ہنر نہ حاصل ہو۔ خداوندا تو نے اس شخص کو کیوں پیدا کیا۔ کیا خوب ہوا اگر سلطانِ وقت اسی کو گرفتار کرے اور کوئی مفید پیشہ و ہنر سکھائے۔

سنگ تراشی کی جب یوں مٹی خراب کی جاے تو اینٹ پر اینٹ رکھنا اور قلبہ رانی بھی خالی از مضحکہ نہیں۔ لیکن انصاف کی جا ہے کہ وہ ہنر جو شاہی عمارتوں کو رونق دے اور عظام و کرام کا موجب یادگار ہو یعنی سنگ تراشی

وہ فن جس نے انسان کی حیوانیت دور کی اور جان و مال کا حفظ کیا ہو جس کو دیکھکر آنکھوں میں روشنی ہوتی ہے اور طبیعت بلند یعنی معماری وہ فن جس کے صدقہ میں ہر روز پیٹ پالا جاتا ہے۔ صحرا سبزہ زار ہو جاتے ہیں اور دشت باغ ارم یعنی کشتکاری۔ یہ سب شغل انسان کے لائق متصور ہوں۔ جو لوگ کسی شئے کو بوجہ ذراسی ہونے کے کم حقیقت سمجھتے ہیں وہ اپنی پست فکری ثابت کرتے ہیں نہ کہ بلند خیالی کیونکہ اسی طرز پر جو چیز محدود ہے وہ ناچیز ثابت ہو سکتی ہے۔

اپنے پیشہ کو اچھا سمجھنا اور غیر کے کام کو ہیچ جاننا کل نوع بشر کا خاصہ ہے جو سلیقہ دار ہیں وہ اپنی چرب زبانی سے دوسروں کو بہت کچھ سُنا جاتے ہیں اور جو اپنے خیالات دل ہی دل میں رکھتے ہیں اُن کی رائے اس قدر نہیں کُھلتی جیسی اُن سیدھے اکھڑ آدمیوں کی جن کو سب گنوار کہتے ہیں۔ لوہار اور سُنار کی دشمنی مشہور ہے۔ درزی اور بزاز ایک دوسرے کو بُرا کہتے ہیں جنگی سپاہی بحری فوج کے آدمی کو ذلیل و خوار خیال کرتا ہے۔ اپنے بڑھانے کی خواہش اور دوسروں کے گھٹانے کا خیال غرضکہ عام ہے۔

لیکن اس بحث و تکرار کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ باہمی رشک سے لوگ زیادہ محنت کرتے ہیں اور اپنے اپنے فن میں باریکیاں چھانٹتے ہیں۔ اگر ہر فرقہ اور ہر پیشہ ور اپنے کام میں سرگرم نہ ہوتا تو فنون کی کبھی اس قدر ترقی نہ ہوتی کیونکہ کُل فنون کی اصل ہیچ تھی۔ شہتیر اور کُندوں سے جہاز تیار ہوئے۔ بالو

کے ذرّوں سے آئینہ بنا۔ لوہے اور پیتل کے پُرزوں سے کُل کلیں بنتی ہیں۔ اسلئے کسی پیشہ و حرفہ کو خوار سمجھنا بالکل حماقت ہے۔

پیشہ اختیار کرانے میں تعلیم کو بڑا دخل ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ قویٰ اور طبیعت کے میلان سے لوگوں کو اوّل کسی خاص کام کی طرف رغبت ہوئی ہے بقول مولوی معنوی ؎

ہر کسے[۱] را بہر کارے ساختند　　میل او اندر دلش انداختند

اور رفتہ رفتہ جب اُس کام میں طبیعت داری صرف ہوئی تو اُس کا کامل ذوق پیدا ہو گیا اور پھر اہل فن کو اپنے کمال پر بڑا ناز و غرہ ہوا۔

ایک خاص کام اختیار کر لینا اور اسی پر توجہ کرنی کُل فنون کی ترقی کی بنیاد سمجھنا چاہئے اور اسی تقسیم محنت سے ارزانی پیدا وار ممکن ہے۔ اشیاے ضروری میں سے اگر ذرا سی چیز سوئی کو لو تو صاف ظاہر ہے کہ اگر بنانا اور بیچنا اِن کا ایک شخص کا کام ہوتا تو شاید دس پانچ سوئیاں دن بھر کی محنت میں بنتیں اور بنانے والے کو پیسے دو پیسے اُس روز مل جاتے لیکن چونکہ کان ۱ ایک شخص کھدواتا ہے دوسرا ۲ لوہے کو مول لیکر گلاتا اور صاف کرتا تیسرا ۳ اجادریں بناتا چوتھا ۴ ان کو کاٹتا اور گول کرتا پانچواں ۵ تار کھینچ کر سوئی کے برابر کترتا چھٹا ۶ نوک نکالتا ساتواں ۷ ناکا بناتا اور چکناتا آٹھواں ۸ شمار کر کے کاغذ میں لپیٹ رکھتا ہے تو اتنا ڈھیر بن جاتا ہے کہ کُل کاریگروں کی محنت وصول ہو جاتی ہے بلکہ نفع کثیر حاصل ہوتا ہے اور سب جلد جلد

[۱] ہر شخص کو کسی نہ کسی خاص کام کیلئے پیدا کیا ہے اور اسکی رغبت اسکے دل میں ڈالدی ہے

اپنا اپنا کام کرنے جاتے ہیں کیونکہ ایک ہی کام کرنے میں مزاولت جلد پیدا ہو سکتی ہے اور ہاتھ میں صفائی بھی بے حد آتی ہے۔

کسی شائستہ ملک کے مزدور کی پوشاک پر خیال کیجیے اور دیکھیے کتنے لوگ اُس کے واسطے محنت کرتے ہیں اور گو ہر ایک کی محنت کا ذرا سا حصّہ اُس کے کام آوے لیکن جتنے لوگ اُس کی راحت جسم کے طالب ہیں اُن کا شمار حد سے باہر ہے۔ سردی کا کُرتا جو انگلستان کے مزدور پہنا کرتے ہیں موٹا ہوتا ہے لیکن کتنے آدمیوں کی شرکت اور محنت سے تیار ہوتا ہے۔ گلہ بان کی ہوشیاری اور اون کترنے والے کی صفائی دیکھیے۔ رنگریز کی لیاقت اور کاتنے والے کی محنت کو سمجھیے یہ لوگ سب اپنا اپنا ہنر ایک ذرا سی چیز بنانے میں صرف کرتے ہیں۔ بعد ازاں فرمائیے کتنے سوداگر ان مصالحوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام ایک کاریگر کے ہاں سے دوسرے کے ہاں لیجاتے ہیں۔ کتنے سوداگر اور جہاز راں خصوصاً کتنے جہاز بنانے والے ملّاح۔ پال بنانے والے۔ رسن ساز وغیرہ ہوں گے جو مختلف رنگ دینے کے واسطے اشیا بڑی بڑی دور سے لاکر مہیّا کرتے ہیں۔ کم قیمت اوزار جو ہر کاریگر کے ہاتھ میں رہتے ہیں اُن کے بنانے میں کس قدر اور کتنے اقسام کی محنت درکار ہوتی ہے۔ پیچیدہ کلوں کو جانے دو صرف مقراض کو لو جس سے اون تراش لیتے ہیں اور غور کرو کہ یہ کن کن لوگوں کی محنت کا ثمرہ ہے اور اتفاق کا کیسا نتیجہ ہے۔ غریب کی گُدڑی بمقابلہ امیر کے لباس کے

ہلکا کام ہوتا ہے لیکن شائستہ ملکوں کے مزدور بھی فخر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے لئے اتنے لوگ سامان راحت جمع کرتے ہیں جو افریقہ کے سلطانوں کو میسر نہیں گو وہ لاکھوں کی جان پر قادر ہوں۔

دوستی

(رباعی) (عمر خیام)

بیگانہ[۱] اگر وفا کند خویش منست　　در خویش جفا کند بداندیش منست

گر زہر موافقت کند تریاق است　　در نوش مخالفت کند نیش منست

باہمی ملاقات میں جو اُنس و لُطف دو ایک سی طبیعتوں میں پیدا ہو جاتا ہے اس کو دوستی کہتے ہیں۔ قدردانی کبھی کبھی اور سلوک عموماً دوستی کا باعث ہوتا ہے اور باہمی سلوک و مراعات سے دو آدمیوں میں دوستی مستحکم ہوتی ہے۔

محبت میں دو شخصوں کی طبیعت ایک سی ہو جاتی ہے۔ جب ایک کی خوبی دوسرے نے اختیار کی اور دوسرے کی نیک خصلت پہلے نے تو دونوں کی چال ڈھال یکساں ہو جائیگی۔ محبت ایک بات طبیعی ہے اس لئے جن دو طبیعتوں میں کچھ بھی مناسبت ہوتی ہے وہ جلد دوست ہو جاتے ہیں۔

جب ہمارا دل پھولتا ہے اور طبیعت جوش پر ہوتی ہے تو جب تک کوئی

ایسا نہ ہو جس کے آگے ہم اپنا حالِ دل کھولیں تب تک چھاتی پر پتھر سا رکھا رہتا ہے۔ مرض جسم کی سیکڑوں دوائیں ہو سکتی ہیں لیکن دردِ دل کی دوا صرف سچا دوست ہے جس کے آگے اپنا رنج و راحت خوف و رجا سب بیان ہو سکے۔ دوست سے اظہار کرنے میں خوشی دونی ہو جاتی ہے اور رنج نصف رہ جاتا ہے۔

دوستی باعث صحت دماغ و عقل ہے جو فکرمند ہیں اُن کو فشار رہتا ہے۔ سحاب خیالات کی تاریکی اُن کے دل پر چھائی رہتی ہے لیکن یہ تیرگی ہوائے صحبتِ دوست فوراً دفع کر دیتی ہے۔

آدمی کی فطرت میں خود رائی اور خود پسندی ہے وہ ہمیشہ اپنے فعل اور اپنی عادت کا جتبا کرتا ہے۔ اپنے حق میں اندھا ہوتا ہے پس اگر اُس کا کوئی دوست نہ ہو تو اُس کے نقص و عیوب سے کون اُس کو آگاہ کرے کس کو غرض ہے کہ اُن کے اصلاح کی فکر کرے۔ آدمی کی خود پسندی تعریف چاہتی ہے لیکن دوست کی آفریں اور خوشامدی کی واہ واہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک خود پسندی کو گھٹاتا ہے دوسرا اُس کو بڑھاتا ہے۔

اپنے نفس پر انصاف کی نگاہ ڈالنا کب کسی کو اچھا معلوم ہوا ہے۔ سب کی یہ خام خیالی ہے کہ ہمارے عیوب کسی پر ظاہر نہیں اس لئے شرم و حیا اُن کو بُرے کاموں سے باز نہیں رکھتی۔ کتب اخلاق پڑھنے سے بھی جیسا کہ چاہئے فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ کتابیں صرف نصیحت کرتی ہیں نہ کہ مجبور لیکن دوست کی

صلاح بڑی پُر اثر معجون ہے۔ جب دوست ہمارے افعال ذمیمہ کو نگاہ ترحم سے دیکھتا ہے تو طبیعت منفعل ہو کر جلد اصلاح قبول کر لیتی ہے۔

بازیِ روزگار میں اوپر کے دیکھنے والوں کو کھیلنے والوں سے زیادہ سوجھتا ہے اسلئے دوست کی صلاح بہت کم غلط ہوتی ہے۔ دو ایک دوستوں کی صلاح پر جو تمھاری کُل کیفیت سے واقف ہو گئے ہیں چلنا اچھا ہے۔ سب سے صلاح لیتے پھرنا اچھا نہیں۔ نئے دوست نئے طبیب کی طرح کیسے ہی لائق ہوں لیکن جب مزاج مریض سے واقف نہ ہوں گے تو کُل حالت جسم کی خراب و ابتر کریں گے اور شاذ اچھا کر سکیں گے۔

دوست موافق ہر کام میں مددگار اور ہر وقت کا معاون ہوتا ہے بہت سی باتیں اپنی نسبت شرم سے دوسرے کے آگے کہی نہیں جاتیں۔ اپنی استعداد اور لیاقت کا اظہار اگر کوئی اپنی زبان سے کرتا ہے تو کیسا معیوب معلوم ہوتا ہے۔ اپنے واسطے گدائی کون کرتا ہے اور بہت سے دُنیا کے معاملات اِسی قسم کے ہوتے ہیں جن میں اپنی زبان بند رہتی ہے۔ لیکن ان کے اظہار میں دوست کی زبان کے جوہر کھلتے ہیں اور اُن کاموں کا دوست ہی کے معرفت ہونا زیبا معلوم ہوتا ہے۔

دوست پا جانا سہل نہیں۔ ایک ہوشمند کا قول ہے کہ اگر چاہتے ہو کہ دوستی کو پائداری ہو تو عرصہ مین اتحاد پیدا کرو۔ باہمی نشست و برخاست میں

جب کسی کی سیرتیں اور کردار تم پر بالکل واضح ہو جائیں اور اُس کی نیکی اور شرافت کا تمھارا دل روز بروز قائل ہوتا جائے تب عقد محبّت کرو ورنہ اگر یہ اوصاف اُس میں نہ نکلے تو اُس کی صحبت میں راحت کے عوض رنج حاصل ہوگا۔ دوست میں یہ بھی صفت ہونی ضرور ہے کہ اُس کے کردار اور گفتار ایک ہوں۔ اگر وہ اپنا دوست نہیں تو تمھارا کیا ہوگا۔

جو لوگ ہم رتبہ ہیں اُن میں اتحاد زیادہ قائم رہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اُن کی رائیں معاملات ملکی اور خانہ داری میں ایک سی ہوں۔ ہمعمروں میں اتحاد قلبی زیادہ تر ہوتا ہے۔ دو نوجوان حظ نفس کے واسطے دوست بنجاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو عیاشی کا شوق دلاتے ہیں اور ایسی ہی کیفیت دو بوڑھوں کی ہوتی ہے جو بطمع زر دوست بنجاتے ہیں۔ ایسی دوستی مضر ہوتی ہے برخلاف اِس کے اگر بوڑھے اور نوجوان میں اُنس پیدا ہو تو زیادہ مفید ہوتا ہے۔ بوڑھے اپنی جان سے عاری خود پرست نہیں ہوتے اور نوجوان دُنیا کی ٹیڑھی راہوں سے کم آگاہ ہوتے ہیں خود غرضی سے پاک ہوتے ہیں پس اُن کی دوستی سچّی کارآمد اور سودمند تصوّر کرنا چاہیئے۔ نوجوان کی اُمیدیں بوڑھے کے دل سے یاس و ہراس بھگاتی ہیں۔ بدمزاجی جو ایک عیب پیری ہے وہ جوان کی صحبت میں دفع ہو جاتی ہے اور بشاشت اور خوش طبعی جاگزیں ہوتی ہے۔ نوجوان کو یہ حاصل ہوتا ہے کہ بوڑھے کے پاس بیٹھکر غفلت اور دیوانگی کھوتا ہے عاقبت

اندیشی سیکھ جاتا ہے۔ شعر

ہیچ مشمر صحبتِ پیران باتدبیر را ‎ ‎ کز کمان بے بال وپر پروانباشد تیر را (صائبؔ)

اِس میں کلام نہیں کہ کبھی کبھی ادنےٰ اور اعلےٰ کی دوستی بھی پائدار رہی ہے لیکن جو ایسے دو آدمی دوست ہوں اُن کو صاف ضمیر اور پاک نفس سمجھنا چاہئے۔ ورنہ قاعدہ کلیہ تو یہ ہے کہ جو درجہ میں مساوی ہیں وہی ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں اور جو رتبہ میں برابر ہیں اور لیاقت میں کم وبیش وہی باہم لُطف وعنایت صرف کیا کرتے ہیں۔

باہم محبت کا دم بھرنے والے دُنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ حضرت سقراط جب مکان بنوانے لگے تو اُس کی تنگی کو دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ جیسا عالی قدر والا منزلت ایسا چھوٹا سا مکان بنوائے بڑا تعجب ہے۔ سقراط نے جواب دیا کہ میں اُس روز بڑا خوش ہونگا جب اسی گوشہ کو سچے دوستوں سے بھرا دیکھونگا۔ اس عالم باعمل کی دوستوں کے قحط پر یہ رائے تھی۔

سچی محبّت کے واسطے بہت سے اسباب درکار ہوتے ہیں۔ اس لئے سیکڑوں آدمی دوست بغیر رہتے ہیں اور ہزاروں شخص دوستوں کے عوض توابعین اور دست نگروں کی صحبت پسند کرتے ہیں لیکن ان میں وہ بات کہاں جو محب صادق میں ہوتی ہے۔ ایام دوستی میں باہمی اعتبار، مشورہ، تنبیہ، لُطف اور وفاداری کرنا چاہئے۔ ان سب باتوں کی زیر دستوں اور خوشامدیوں سے اُمید نہیں ہوسکتی

صفائی قلب اور اعتبار آپس کے نفع کے لئے ضرور ہونا چاہیئے۔ شک اور بدگمانی سے محبت کی جڑ کٹتی ہے۔ جب دو آدمی باہم شاد و خرم نہ رہے تو اتحاد کہاں باقی رہا۔

اور بہت سی باتیں اتحاد کی دشمن ہیں مثلاً مفارقت دراز خصوصاً جب کہ اس عرصہ میں نئی محبتوں کی بنا پڑ جائے۔ باہم ہمسری اور رقابت دنیوی فائدے کے واسطے گلے اور شکووں کا جمع ہونا اور خوش کرنے اور خوش ہونیکی خواہش کا زائل ہوتا جانا ایسا فاسد مادہ ہوتا ہے اور محبت میں اس قدر ضعف پیدا کرتا ہے کہ پھر کوئی چارہ کارگر نہیں ہوتا ہے۔

عقلمند تو یہ نوبت آنے ہی نہیں دیتے۔ جب دیکھتے ہیں کہ باہمی صلاح ناگوار خاطر ہوئی اور ایک کو دوسرے کے کہنے پر توجہ نہ ہوئی تو سمجھ لیتے ہیں کہ دوستی چند روز کی مہمان ہے۔ اس لئے بلا رنج پیدا کئے پہلے ہی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں تاکہ آیندہ کی ذلت و خواری نہ اٹھانی پڑے۔

بیان لکھنؤ و ذکر صنعت مردمان خجستہ رو و تذکرہ اہل صاحب علم و کمال علے قدر حال

یہ خطۂ بے نظیر دلپذیر رشک گلشن جناں مسکن حور و غلماں ہے۔ جائے مردم خیز۔ باشندے یہاں کے ذکی فہیم عقل کے تیز۔ اگر دیدۂ انصاف و نظر

غور سے اس شہر کو دیکھئے تو جہاں کی دید کی حسرت نہ رہے آنکھ بند کرے۔ شعر

رشک رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

سبحان اللہ وبحمدہٗ عجب شہر گلزار ہے ہر گلی و کوچہ دلچسپ باغ و بہار ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر باوضع قطع دار ہے۔ دورویہ بازار کس انداز کا ہے۔ ہر دُکان میں سرمایہ نازو نیاز کا ہے۔ ہر چند ہر محلہ میں جہان کا ساز و سامان مہیا ہے پر اکبری دروازہ سے جلوخانے اور پکے پُل تک کہ صراط مستقیم ہے کیا جلسہ ہے۔ نان بائی خوش سلیقہ شیرمال کباب، نان نہاری، جہان کی نعمت اس آبداری کی جس کی بو باس سے دل طاقت پائے دماغ مُعطر ہو جائے۔ فرشتہ گندے تو سونگھے۔ کیسا ہی سیر ہو ذرا نہ دیر ہو دیکھے سے بھوک لگ آئے۔ وہ سُرخ سُرخ پیاز سے نہاری کا بگھار سُریلی جھنکار۔ شیرمال شنگرف کے رنگ کی خستہ بھُربھُرا ایکبار کھائے نان نعمت کا مزا پائے۔ تمام عمر ہونٹ چاٹتا رہ جائے۔ کباب اس آب و تاب کے کہ مُرغ و ماہی کا دل سیخ آہ حسرت محرومی سے کباب، ادرک کا لچھا میاں خیر اللہ کی دُکان کا بال سے باریک کترا ہاضم نایاب۔ حسینی کے حلوا سوہن پر عجب جوبن۔ اُس کی شیرینی کی گفتگو میں لب بند، جہان کو پسند۔ پیڑی و بیر لبسی لبسائی لذیذ، ہونٹ سے کھائے دانت کا اُس پر تمام عمر دانت رہے لگانے کی نوبت نہ آئے۔ جوزی خوب حبشی اہل ہند کو مرغوب۔ دودھیا شیر خوارہ نوش کر جائے۔ گلیوں میں گجر دم یہ آواز آتی شیرمال ہے گھی اور دودھ

کی مفلس کا دل اُچاٹ ہے۔ ٹکوں کی چاٹ ہے۔ کدھر لینے والے میں نمش
کی قلفیاں کھیر کے پیالے ہیں۔ کیا خوب بھُنے بھُر بھُرے ہیں۔ چنے پر مل اور
مُرمُرے ہیں۔ جیٹھ بیساکھ کی وہ گرمی جس میں چیل انڈا چھوڑتی۔ دو پیسے کو برف
کی قلفی جمی۔ دو کھائے بدن تھرائے۔ زیادہ ہُو کا کرے لقوے فالج میں مرے
سر چوک ہمیشہ شانے سے شانہ چھلا۔ نسیم و صبا کو سیدھا رستہ نہ ملا۔ شیخ کولی کی
مٹھائی جس نے کھائی جہان کی شیرینی سے دل کھٹا ہوا۔ بنارس کا کھجلا بھولا
متھرا کے پیڑے کا گھٹما ہوا۔ برفی کی نفاست بو باس در در اپن نقرئی ورق کا
جوبن کسی اور شہر کا رکابدار اگر دیکھ پائے یا ذائقہ لب پر آئے زندگی تلخ ہو
ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے۔ امرتی مسلسل کا ہر پیچ ذائقہ کو بیچتاب دیتا۔ یاقوتی
مفرح کا مزہ جب منہ میں رکھا اصل تو یہ ہے عسل مصفیٰ جنت کی نہر کا حلق سے
اُترا۔ پراجیوں کی گلی کی کھجور۔ لذت ٹپکتی، ذائقے میں چور، بہتر از انگور۔ نہایت آب
و تاب ہم خرما و ہم ثواب۔ بالائی نورا کی دکان پر جب نظر آئی۔ بے قند و شکر
شکر کر نور علیٰ نور کہکر چھری سے کاٹ کر کھائی۔ مدارے حقے وہ ایجاد ہوئے۔
کسگر ایسے اُستاد ہوئے کہ جب تڑاقا اُن کا سُنا بیچوان کا دم بند ہوا۔ پھانا کا
تمباکو مشک و عنبر کی خوشبو جس نے ایک گھونٹ کھینچا اُسی کا دم بھرنے لگا۔
علی الخصوص مرد تماش بین کے واسطے یہ شہر خراد ہے۔ یہاں ہر فن کا اُستاد ہے
سیکڑوں گھامڑ، بدعقل، گندہ، ناتراش اطراف و جوانب سے آ ہفتے عشرے میں

پھل چھلا وضع دار ہو گئے۔ جب آبو تراب خاں کے کٹرے میں جامیاں خیراتی سے
کسی کی خیرات میں خط بنوایا بارہ برس کے سن کا رخساروں سے مزہ آیا۔
چارپہر کھونٹی ٹٹولی پتا نہ پایا۔ کاتب، قدرت کا لکھا مٹاتا ہے ایسا خط بناتا ہے۔
سید حسین خاں کے دروازے پر عبداللہ عطر فروش کی دکان جائے نشست پر
وضعدار جوان ہے۔ دو پیسے میں بیلے چنبیلی کا تیل ریل پیل۔ فتنہ بپا کرنے والا
ایسا ملا کہ سہاگ کا عطر گرد ہوا، جونپور سے دل سرد ہوا، عطر کی ڈروئی رکھی کان میں
پھر جا بیٹھا کسی افیونی کی دکان میں سفید سفید چینی کی پیالیاں خوبصورت رنگیتں
نرالیاں افیون فیض آبادی لالے کی وہ رنگین، جس نے تریاق مصر کے نشے
کرکرے کئے۔ زیادہ پی جانے والوں کو جان کے لالے ہوئے ایسے متوالے ہوئے
جھمکرہ بادۂ ارغوانی و زعفرانی کا پیدا، تبدیل ذائقہ کو فرنی کے خوانچے نقرئی ورق
جے پستے کی ہوائی چھڑکی ہوئی مہیا چسکی پی، ایک دم کے بعد دم حقے کا کھینچا
آنکھوں میں سرور موجود ہوا وہاں سے بڑھا، کان میں آواز آئی۔ بیلے کے
ہار ہیں۔ شوقین البیلے کو بہن لے چلا جا فرنگی محل کے میلے کو۔ جب یہ سج بنی
بگڑا بنچوں کے بل چلا۔ یہ بھولا وطن کی چال ڈھال راہ و رسم بھولا۔ اکثر باہر
سے آیہ دھج بنا جونپور کے قاضی ہونے کو مفتی میں راضی ہو گئے۔

برسات کا اگر موسم ہے شہر کا یہ عالم ہے اِدھر مینہ برسا پانی جا بجا بہ گیا۔
گلی کوچہ صاف رہ گیا۔ ساون بھادوں میں زردوزی جوتا پہنکر پھرے کیچڑ نہ ہوگیا

رمٹی نہ بھرے۔ فصل بہار کی صنعت پروردگار کی قدرت۔ رضواں جن کا شایق دیکھنے کے لائق روز عیش باغ میں تماشے کا میلا، ہر وقت چین کا جلسہ۔ تموتی جھیل کا پانی، چشمۂ زندگانی کی آب وتاب دکھاتا، پیاسوں کا دل لہراتا تھا۔ ترک کے درختوں کی فضا جدا، جھکوا موجیں مارتا ہارسنگار کے جنگل میں لوگوں کا جمگھٹا رنگا رنگ کی پوشاک آپس کی جھانک تاک۔ تختہ لالہ و نافرماں جن پر قربان بندہائے خاص کی سبکروی خرام ناز ہر قدم پر کبک دری چال بھول کر جبیں نیاز رگڑتی۔ شاخ سرو اُن کے روبرو نہ اکڑتی۔ شائق ہزار ہزار شمع پر پروانوں کا عالم غول کے غول باہم۔ آم کے درختوں میں ٹپکا لگا۔ خاص جھولا وہیں پڑا۔ جھولنے والوں پر دل ٹپکا پڑتا۔ محبت کے پینگ بڑھتے دیکھنے والے درود پڑھتے۔ باغ میں کوئل پپیہے، مور کا شور، جھولے پر گھٹا رہی وہ بھی گھنگھور۔ ساون بھادوں کے جھالے وہ رنگین جھولنے والے۔ دشت غربت میں یہ جلسہ جو یاد آجاتا ہے دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

خاص بازار کہ شہر وسیع و خوش قطع ہے۔ اس کے نقشہ سے مانی و بہزاد نے خار کھایا۔ شبیہ کشی تو کیا خاکہ خاک نہ کھچا، ہاتھ تھرایا کوٹھیاں فرح بخش و دلکشا برج ہر ایک جہاں نما سلطان منزل واستری منجن نشاط افزا توبہ شکن۔ انسان کو دیکھ کر سکتہ ہو جائے کام اُن کا وہم و قیاس میں نہ آئے۔ سرِ راہ کی بارہ دری جواہر سے جڑی پری کی صورت کی قریب نہر جاری۔ تکلف کی تیاری ہیں باغ

اُس کا جس نے دیکھا باغ ارم سمجھا۔ سوسن صفت ہزار زبانیں بہم پہنچیں تعریف نہ کر سکا۔ گونگے کا سپنا ہوا۔ رومی دروازہ اس رفعت و شان کا ہے گذرگاہ ایک جہان کا ہے۔ اگر اُس پر چڑھ جائے بام فلک پست معلوم ہو۔ فرشتوں کا مشورہ کان میں آئے۔ سپہر اوّلیں اُس کی زمین ہے ششش جہت میں دوسرا نہیں ہے۔ مسجد انتخاب ہے امام باڑہ لاجواب ہے۔ مقبرے عالی شان۔ وہ نادر مکان کہ فلک بدیدۂ انجم نگراں ہے۔ اُن کی نظیر کی جستجو میں مشعل مہ و خورشید روز و شب روشن کئے گو بگو سرگرداں ہے۔ اگر پاؤں پھیلانے کی جگہہ اُن میں ہاتھ آئے سرد ست مر جانے کو جی چاہے۔ گومتی کے انداز سے نہر کی کیفیت نظر آتی ہے طبیعت لہرتی ہے۔ دورویہ آبادی عمارت کہیں رمنے کسی جا باغ نئے صبح و شام وہ بہار نظر آتی ہے کہ شام اودھ اور بنارس کی سحر بھول جاتی ہے۔

شہر نفیس مجمع رئیس۔ ہر فن کا کامل یہاں حاصل ہے۔ خوشنویس حافظ ابراہیم صاحب سا اس قطع کا قطعہ لکھا کہ جو میر علی یا آغا جیتے ہوتے اپنے لکھے کو روتے اشک حسرت سے وصلیاں دھوتے۔ مرزائی صاحب کا یہ حال تھا کوئی پرچہ اُن کا اُن کی نظر پڑ جاتا بریز بریز بریز کہتا۔ یاقوت رقم ہیرا لکھاتا۔ مرثیہ خواں جناب میر علی صاحب نے وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخ کہن نے مسلم الثبوت اُستاد کیا۔ علم موسیقی میں یہ کمال بہم پہنچایا اس طرح کا دھرپد، خیال، ٹپہ گایا اور بنایا کہ کبھی کسی نایک کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا۔ ایک رنگین

احاطہ کھینچا ہے جو اُس میں آیا پھولا پھلا وہ اُن کا پیرو ہوا آور جس نے ڈھنگ جدا کیا وہ ٹکسال باہر بدرنگ ہوا۔ اگر تان سین جیتا ہوتا اِن کے نام پر کان پکڑتا بھیک مانگ کھاتا مگر نہ گاتا۔ ہزاروں شاگرد جگت اُستاد ہوا، مولوی سب میں پر بزاد ہوا۔ امیروں میں حسین علی خاں بلبل ہزار داستاں خوش الحاں۔ مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر صاف باطن نیک ضمیر خلیق فصیح مرد مسکیں مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب و بیر مرغوب سکندر طالع بصورت گدا بار احسان اہل دول کا نہ اُٹھایا۔ تھوڑے قلیل میں مرثیہ سلام کا دیوان تحریر فرمایا طبیب ہر ایک مسیحائی کرتا ہے۔ قم باذنی کا دم بھرتا ہے جیسے دیکھا بقراط سقراط جالینوس زماں ہے۔ اس معنی میں یہ خطہ رشک زمین یونان ہے۔ بیرک جان صاحب پیرنے کے فن سے ایسے آشنا ہوئے کہ مردم بحر و بر سرگرم ثنا ہوئے۔ شاعر زباندان ایسے کہ عرفی اور خاقانی کی غلطی بتائی۔ فردوسی و انوری کی یاد بھلائی شیخ امام بخش ناسخ نے یہ ہندی کی چندی کی اور روزمرے کو ایسا فصیح او ربلیغ کیا کہ کلام سابقین منسوخ ہوا فصحائے شیراز و اصفہان اس سیف زبان کا لوہا مان گئے اپنے قبح پر منفعل ہوئے۔ اس زبان کا حُسن جان گئے۔ زمین شعر کو آسمان پر پہنچایا سیکڑوں کو اُستاد بنایا۔ خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی شرر افشانی سے دل جلوں کے سینے میں سوز و گداز ہے۔ مرد قانع شاعر ممتاز ہے۔ فرنگی محل کا حال کیا لکھوں کہاں زبان و دست کا یارا جو شمہ لکھتا۔ مولوی، فاضل عدیم المثال ہر شخص جمیع علوم کا

اُستاد۔ کتب درسی ابتدا سے انتہا تک یاد۔ منقول و معقول میں دقیقہ باقی نہ رہا۔
ریاضی کے ریاض سے آسمان کو زمین کر دیا۔ مولوی انوار کا پرتوفیض جہان میں
روشن۔ مولوی مبین دوربین سراج انجمن مولوی ظہور اللہ سبحان اللہ ایسے
فقیہ محقق کہاں ہوتے ہیں یہی لوگ نادر الزماں ہوتے ہیں۔ اُدھر رکن دین
بلا کد میر سید محمد مجتہد مستند مرزا کاظم علی متقی آخوند محمد رضا رضائے خدا کا جویا حامل
قرآن ہمہ دان کسی علم میں عاری نہیں روے زمین پر آقا محمد تبریزی سا قاری نہیں ع
مگر وہ جو مثل ہے نیک اندر بد یہ اصل ہے لب معشوق، مولویوں سے وہ
ارباب نشاط پری شمائل زہرہ پیکر مشتری خصائل حسن و ناز و انداز سحر کرامات
غمزہ عشوہ ادا گات بانکی۔ بولی چرخ ان پر نثار ہے ہر ایک خور کردار ہے
خوش مزاج مردم شناس۔ روزمرہ شستہ دلم تقریر رمز و کنایہ۔ کلانوت قوال
بے مثال چھجو خاں غلام رسول سب کو موسیقی میں کمال حصول شوری کی
مُنہ زوری کی دھوم ہے۔ ٹپّے کا موجد ہوا سب کو معلوم ہے۔ بخشو اور سلاری
نے طبلہ ایسا بجایا کہ پکھاوج کو شرمایا۔ پتنگ ایسا بنا ایسا لڑا کہ نزدیک و دور
مشہور ہے ستر چھپتر تار ڈور کا پتنگ خیراتی یا جھنگا کے ہاتھ کا، لڑائی کی گھات
کا، ستم کی عافیت تنگ کرنے والا۔ سخی ہاتھ پاؤں پر مولوی عمدو نے ایسا لڑایا
عمداً اتنا بڑھایا کروبیوں سے عبادت چھوٹی دوڑ دوڑ کر ڈور لوٹی آنکھ بچا کر بیٹیا
توڑا فرشتے خاں کا پتنگ نہ چھوڑا۔ مرزا آن بیگ مانجھا دینے والا دیکھا نہ سُنا۔

غرض کہ جو چیزیں یہاں نئی بنیں اور ایجاد طبیعت سے کاریگروں نے نکالیں سلف سے آج تک نہ ہوئی تھیں۔ زردوزی ایسی بنی ایسی باریکی چھنی کہ باہر بند و اُس کے نیچے جو بنا میں بجائے جیغہ و سرپیچ سر پر لگائیں۔ جوتا خرد نوک کا ببر علی نے اس نوک جھوک کا بنایا کہ جہان کو پسند آیا آرام پائی جس کے ہاتھ آئی دل نے چین پایا چالیس سال دیکھ بھال کی ایسا شہر یہ لوگ نظر سے نہ گذرے اور تو اور شہدا پیر بخارا کا ٹما سا سید الشہدا کا شیدا برس روز میں جو پیدا کیا عشرۂ محرم میں محتاجوں کو نذر حسینؑ کھلا دیا یہ یکرنگی مزاج میں سمائی تمام عمر جوا کھیلا دوئے کے داؤ پر آدھی نہ لگائی ایک روپیہ ہوا خواہ سو کہہ دیا پو سیکڑوں داؤ منجے گئے منہ سے نہ نچے گئے۔ وہاں بھی ایک چوک لگا رہتا ہے آدمی کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں جب وہ لوگ نظر آتے ہیں۔ مشائخ فقیروں کے مزار خوب خواب راحت میں آسودہ سالک و مجذوب شاہ میناشاہ پیر محمد شاہ خیر اللہ ایک سے ایک سبحان اللہ ظاہر مردہ حقیقت میں جیتے ہیں اشیائے لطیف کھاتے پیتے ہیں۔ مولوی عبدالرحمن برگزیدۂ یزدان عالم باعمل درویش اکمل خواجہ باسط اور میر نصیر حسن کا عدیل نہ نظیر خواجہ حسین و حسن سرگروہ انجمن طبیعت بسکہ مصروف باختصار ہے ایک ایک فقرہ لکھا ہے ورگر نہ ان بزرگواروں کی صفت میں کتابیں تحریر کرے تو بجا ہے مگر شعر

کار دنیا کسے تمام نکرد　　　ہرچہ گیرید مختصر گیرید

اس پر عمل کیا منصف سے انصاف طلب ہیں ہٹ دھرم سے کیا کہیں

جھوٹے کے روبرو سچا رو دیتا ہے بالفرض معترض کہے یہ لوگ کہاں کے تھے تو یہ جواب شافی کافی ہے کہ یہ شہر ایسا تھا جیتے جی یہاں سے نہ نکلے مر گئے پر یہیں رہے اور یوں تو مصرعہ کس نگوید کہ دوغ من ترش ست + جو گفتگو لکھنؤ میں کو بکو ہے کسی نے کبھی سُنی ہو سُنائے لکھی دیکھی ہو دکھائے۔

قطع نظر اس سے لوگ اس خلقت کے گرہ سے کھوئیں اور جلسہ کریں چنانچہ ایک بندے کے شفیق جگت آشنا مرزا محمد رضا مجمع خوبی از پا تا فرق تخلص برق فی الحقیقت کلام بلاغت نظام ان کا صاعقۂ خرمن ہستی حاسد ہے۔ بھائی بند شاعروں کا بازار اُن کے روبرو کاسد ہے۔ جوان خوش خو بہادر آشنائے بامزہ نیک خو شب ماہ صحبت مشاعرہ بدولت خانہ مرزا معین ہے۔ رئیس امیر صغیر و کبیر تشریف لاتے ہیں اِس مکان وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی قلت ہوتی ہے۔ ہوا کشمکش سے بار پاتی ہے جب نکلنے کی سعی اُٹھاتی ہے۔ سخن سنج بیرنج خوشگو نازک فہم باریک بیں نیک خو جمع ہوتے ہیں لوگ اُن سے وہ لوگوں سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ تلامذہ مرزائے ممدوح خدمت کو حاضر کو دونے کورے مدارئے دمبدم گلوریاں ورق لگی کتھا بسا چونا سنگ مرمر کا متواتر قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا جاری ہے کوئی پیتا ہے کوئی کھاتا ہے اگر چاہ کسی کو چائے کی ہوئی دودھ پیتے بچے تک شیر چائے موجود کر دی ہمیشہ صبح اُس شام کے جلسے کی ہو جاتی ہے طبیعت نہیں گھبراتی ہے گھر جانے والوں کو صدائے مرغ سحر ندائے

اللہ اکبر آتی ہے ہر چند سب لوگ یہاں کے قہر ہیں مگر یہ بزرگوار زینت شہر ہیں اور لکھنؤ کے جیسے بازاری ہیں کسی شہر کے ایسے ہفت ہزاری ہیں۔ دلّال مرفہ حال خوش پوشاک چکنے چپکائے اور ملکوں کے سیٹھ کروڑپتی بدن پر لنگوٹی یا دھوتی جبت بڑا تکلف کیا گاڑھے کی مرزئی پہن لی کلمۂ حق کہنے والے کا مدار دار پر ہوتا ہے منصور نگر اُس کا محلہ ہے یہ نکتہ بگوش دل و جان سن اَلْحَقُّ مُرٌّ حاسدوں کے خوف سے یہ مذکور مختصر کیا اگر زیادہ لکھتا قصہ ہوتا کوتاہ بیں لکھنؤ کے نام سے چڑھ جاتے ہیں رشک کھاتے ہیں افترا پردازی کرتے ہیں جل مرتے ہیں اچھے آغاز کا انجام بخیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مشقت کسی کی بیکار نہیں کھوتا ہے۔ یہ فسانہ بعہد دولت شاہ غازی الدین حیدر شروع ہوا تھا اور تمام بعصر سلطان نصیر الدین حیدر دام ملکہٗ ہوا۔ اللہ اللہ یہ عجب شاہ جمجاہ اریکہ نشین ہوا کہ حاتم کا نام صفحۂ سخا سے مثل حرف غلط مٹا دیا فقیروں کو امیر بنا دیا عیش و نشاط کی طرف طبیعت جو آئی ایک ایک ادنے کنجڑن ہفت ہزاریوں سے اعلےٰ بنائی۔ محمد شاہ کی گور تھرائی شہزادیوں کو نکہاریوں پر رشک آیا خواصوں کو صاحب نوبت کیا۔ چنڈول سکھپال میں چڑھایا۔ اصیلوں کو کروروں روپے دیئے پیش خدمتوں نے بادشاہت کے چین کئے قدسیہ محل پر طبیعت جو آئی معاً رفعت شان فلک ہفتم پر پہنچائی۔ کئی کرور روپے اِس منظور نظر نے صرف کئے۔ خزانے خالی کر محتاجوں کے گھر بھر دئے۔ ہر وقت راجہ اندر کا جلسہ رہا نہروں میں عطر بہا

مکان اس طرح کے بنوائے کہ فلک گرداں نے صدمے ہو کر جگر کھائے۔ اندر اس کے گلشن ارم کہ ایسا باغ اور اس طرح کی کوٹھی چشم و گوش عالم نے دیکھی نہ سُنی دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گرداں کو خواب میں نظر نہ آئی۔ اندر اس میں عطر کا حوض چھلکتا رہا۔ تمام شہر مہکتا رہا مغلانیوں نے گوٹے کناری کی کترنوں سے چاندی سونے کے محل اُٹھائے۔ خاصے والیوں نے لونگ الائچی زعفران کے اپنے گھروں میں خاصے ڈھیر لگائے۔ مکا خیاط مال دُنیا سے مالا مال ہے۔ استغنا کا دم بھرتا ہے۔ سینا تو کیا ٹانکا کم بھرتا ہے بجز غم حسینؑ شہریار کو اندوہ غم نہیں۔ کون ہے جو اِس زمانہ میں شاد و خرم نہیں اربعین تک عزاداری ہوتی ہے خلق خدا ماتم حسینؑ میں روتی ہے۔ لاکھوں روپیہ اس راہ میں صرف ہوتا ہے۔ چالیس شب نہیں سوتا ہے۔ تخم عمل نیک مزرعۂ آخرت میں بوتا ہے روز تولد ہر امام و شب وفات جگر بند ان خیر الانام لاکھ لاکھ روپئے کا صرف ہے اس کی ہمت کے آگے فیاضان گذشتہ پر حرف ہے۔ حسن صورت شوکت و حشمت جاہ و ثروت جتنی دُنیا کی خوبیاں ہیں اللہ نے سب دی ہیں۔ ہر شب شب برات روز عیدین کے ہیں۔ سیر دریا کی دفعتاً جو لہر آئی گنگا سے نہر نکالی۔ اس میں بھی غربا نہال۔ کارندے مالامال ہو گئے بسکہ خامۂ مؤلف اختصار رقم ہے۔ جتنا اِس کی صفت میں لکھئے بہت کم ہے۔

روشنی

روشنی کو عطیہ اور برکت خدا کُل جہان نے مانا ہے اور قدر اس کی جتنی ہوئی ہے وہ عام تشبیہات سے ثابت ہے دُنیوی راحتوں کو سب نے نورِ سحر سے تشبیہہ دی ہے اور دُنیوی مصائب کو تاریکی سے بلکہ حسنات اور پاک کاموں میں اس کی جھلک پائی گئی ہے اور ناپاک کام اور تاریکی میں ازلی تعلق سمجھا گیا ہے۔

جب آندھی چلتی ہے اور گھنگھور گھٹا چھا جاتی بارش کے شور کے سوا نہ کچھ سُنائی دیتا ہے اور اندھیرے کے سوا نہ کچھ دکھائی دیتا اُس وقت کیسا خوف کا عالم ہوتا ہے۔ چرند و پرند حفظ جان کے واسطے الامان پکارتے ہیں۔ آدمی کا دل خود تھرّاتا ہے۔ صاعقہ کی چمک اور رعد کی کڑک سے کل حیوانات پر ایک کیفیت ہراس طاری ہو جاتی ہے لیکن جب وہ روزِ روشن دیکھتے ہیں کیسے باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ اپنے شکستہ حالی سے غریق یاس نہیں ہوتے طلوعِ مہر کو غنیمت جانتے ہیں کیونکہ بُری حالتوں اور مشکل مقاموں سے بچنا اگر روشنی نہ ہو تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے

جب بچہ نیند سے اُٹھکر اپنے تئیں اندھیرے میں پاتا ہے کیسا خوف زدہ ہوکر مدد کے واسطے چلاتا ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روشنی کے نہ ہونے سے واہمات اور خطرات اُس پر بڑا اثر کرتے ہیں۔

انسان کی طبیعت اور اوجالے میں ایسی موافقت ہے اور اندھیرے سے

اُس کو ایسا تنفر کہ چیزیں بھلی معلوم ہوتی ہیں یا بُری جیسے اُن کی صورت اُجلی وروشن ہوتی ہے یا سیاہ وتاریک۔ شاید اسی اصول پر بعض رنگ زیادہ دلپسند اور مرغوب ہوتے ہیں جو ضیائے خورشیدی سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ سونے چاندی کا رنگ و روپ ایسا ہے کہ زیب تن کیا جاتا ہے اور پھولوں میں زعفران سوسن اور گلاب کی شوخی اور خوشرنگی ہمارے کلام کی ثبوت ہیں۔

عقل حیوانی سے وحش وطیور ایک شئے کو پسند کرلیتے ہیں اور دوسری شئے سے پرہیز کرتے گو اوّل سے اُن کی خاصیتیں نہ جانتے ہوں۔ شاید اسی طرح پر حیوانات ناطق کے حواس اور شئے محسوس ہی ہیں کچھ اصلی جذب وتنفر ہو۔ سمع کی نسبت جس کا آلہ گوش ہے ہم جانتے ہیں کہ معصوم بچے بھاری آوازوں سے ڈرتے ہیں اور باریک آوازیں اُن کو بھاتی ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ چند ذائقوں اور خوشبوؤں سے بچوں کو رغبت ہوتی ہے اور چند سے نفرت۔ چکنی چیزیں دل پر اچھا اثر کرتی ہیں اور کھدڑی سطحیں بُری معلوم ہوتی ہیں اور کھلتی ہیں پس عجب نہیں کہ بصارت بھی کسی قدر صورت و رنگ سے مؤثر ہو۔

آفتاب خزینہ ضیا ہے اور اس کی سخاوت بیحساب ہے لیکن جب آفتاب نہیں ہوتا تو سب باآسانی روشنی کرلیتے ہیں اس لئے اُس کی قدر ایسی نہیں ہوتی جیسی تب ہوتی جب مُدتوں روشنی سے آنکھیں محروم رہتیں۔ شب کو آفتاب کی روشنی کا نہ ہونا عین مصلحت ہے کیونکہ اس وجہ سے نیند آجاتی ہے اور اگر خواب اور شغل کار

کے دو وقت مخصوص نہ ہوتے تو تمام قوی جلد کمزور ہو جاتے اور راحت و رنج پھر کس کو محسوس ہوتا۔

لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ روشنی شب کو نہیں ہوتی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب اُس سے بالکل محروم رہتے ہیں کیونکہ بہت کم راتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کسی قدر روشنی نہ ہو یا ہم سب اپنے ضروری کام نہ کرسکیں۔ زیادہ روشنی کا نہ ہونا باعث آزار نہیں اور نہ وہ لوگ جو پیدائشی اندھے ہیں نور کے نہ ہونے سے دق رہتے ہیں کیونکہ انسان کو جس شئے کا مزہ نہیں اُس کا وہ طالب کیونکر ہو سکتا ہے۔

خیال کرو کہ تمام حواس انسان کے ویسے ہی رہیں اور دنیا کا کارخانہ جاری رہے لیکن روشنی کا وجود اس عالم سے یکایک اُٹھ جائے تو اس حالت میں آدمیوں کی کیا گت ہوگی۔ احتیاجات روزمرہ کے واسطے کیونکر کام ہوگا۔ کون تب بیل جوت کر دانہ بوئے گا اور خرمن جمع کریگا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس حالت میں نہ دانہ بونے کو بچے گا اور نہ غلہ کھانے کو رہے گا۔ روشنی نہ پاکر کُل نباتات کا رنگ پلٹ جائے گا اور کوئی پھل نہ پائے گا۔ اگر فرض کیا جائے کہ خالق اور کسی طریقہ سے ہم کو رزق پہنچا دے اور ہماری جسمانی کیفیت بدل دے تو بھی عیش و نشاط کیونکر میسر ہوگی جب یہ باب عقل مسدود ہو گیا تو علم پھر کس راہ سے دماغ تک پہنچے گا اور حواس بیچارے بغیر راہ داری بصارت کے روزمرہ کے کاروبار میں ضرور عاجز و ناچار رہیں گے۔ اتنا تو ہے کہ جن لوگوں نے نگاہ مروت پھیر لی ہوگی اور طوطی چشم بنکر

احسان فراموشی اختیار کی ہوگی اُن کے دیکھنے کا رنج نہ ہوگا لیکن اگر اس رنج سے بچے تو ماں باپ کے چہرۂ اُلفت کی زیارت بھی جس سے برسوں کا دردِ الم ایک لمحہ میں دور ہو جاتا ہے نہ ہو سکے گی لیکن اس مصیبت کی تصویر کھینچنے سے درگذر کر کے روشنی کے اور فائدے بیان کرتے ہیں۔

کُل حیوانات کی زندگی نباتات پر منحصر ہے اور نباتات میں سب کیفیت روشنی کی وجہ سے ہے اُس وقت سے جبکہ تخم زمین سے پھوٹتا ہے۔ اگر درختوں کو روشنی نہ پہنچے تو تھوڑے عرصہ میں تمام درختوں کو بڑے بڑے محقق نہ پہچان سکیں تمام رنگ وصورت بُو اور ذائقہ اِن کا اِس قدر جلد معدوم ہو جاتا ہے۔ کاہو کرم کلہ وغیرہ کے درختوں میں چونکہ روشنی بھیتر تک نہیں پہنچتی اس لئے اندر کے پتے پھیکے رنگ کے رہ جاتے ہیں لیکن باہر کے ہرے اور سیاہ ہوتے ہیں۔ اگر عشق پیچاں کی بیل پھیلتے پھیلتے کسی تاریک گوشہ میں ہو کر نکل جاتی ہے تو وہاں پر اُس کا رنگ اُڑ جاتا ہے اور وہاں سے بہت جلد روشنی کی طرف بڑھتی ہے۔ جتنے درخت تاریکی میں پھلتے پھولتے ہیں اُن میں بجز پانی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اصلی خوبیاں اور فائدے جاتے رہتے ہیں رنگ ہوتا نہیں کہ آنکھوں کو خوش کرے۔ خوشبو ہوتی نہیں کہ دماغ کو معطر کرے۔ رگ و ریشے گو وہ بنکر کام کے نہیں رہتے اور گوند اور عرق جس کی وجہ سے نباتات میں غذائیت ہوتی ہے پیدا نہیں ہوتا۔

روشنی کے سارے نقش ونگار ہیں۔ صورتیں رنگین اِسی کی وجہ سے دیکھنے میں

آتی ہیں دل شگفتہ ہو جاتا ہے۔ خلوت میں جب کبھی کسی عزیز اور یاران رفتہ کی شبیہہ سامنے آجاتی ہے تو آدمی کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ وطن، اپنا مکان، اپنا شغل طفولیت سب یاد آجاتا ہے طبیعت کا دریا جوش میں آتا ہے۔ علم روشنی کے اصول دریافت کرکے اہل فرنگ نے فن تحریر عکس نکالا ہے اب ہر خطہ اور ہر اقلیم کے عجائب اور غرائب کو اپنے ہاں جمع کر لیا ہے۔ اصل و نقل میں کچھ فرق نہ رکھا آسمان کے تارے تک صفحۂ کاغذ پر اتارے ہیں ہر رخ شمس و قمر کا کھینچ لیا ہے جس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی اُس کی کیفیت کاغذ پر ہر وقت پیش نظر رہ سکتی ہے۔ کُل اجسام کی تحقیقات ہو سکتی ہے اور فرانس میں تو اب رنگین فوٹو اترتے ہیں اصل و نقل میں کچھ فرق اب تو نام کو بھی نہیں رہا ہے۔

الفاظ و معانی

لفظوں کو صرف لباس خیال نہ تصور کرنا چاہیئے، بلکہ یہ نقوش و تصاویر معانی ہیں۔ نہیں (اگر کہہ سکیں) تو یہ اوتار ہیں جن میں معنی پنہاں ہوتے ہیں اور موقع خاص پر عیاں۔ ہر ذات کے واسطے ایک شکل مقرر ہے اُسی طرح ہر خیال کے واسطے ایک خاص لفظ اور دو لفظوں میں گو وہ مترادف بھی ہوں ایسا فرق ہوتا ہے جیسا دو شخصوں میں جو مختلف قسم کی تربیت پائے ہوں۔ اختلاف آب و ہوا سے انسان کا مزاج اپنے اپنے طور کا ہو جاتا ہے اُسی طرح کثرت استعمال سے ایک لفظ ایسا رنگ

معنی حاصل کرلیتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتا۔

جو صاحب طبع ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کے کلام میں اثر ہو وہ اپنے نکات و سخن کو سلیس الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ جچیاں لفظ پر قانع رہتے ہیں اور بےکار الفاظ سے محترز۔ یہ بات زباندانی کی دلیل ہے۔ بہت سے لفظوں کا ایک جگہہ جمع ہونا ایسا ہے جیسے کسی شاخ کا پتوں سے لدا ہونا اِن میں ثمر معنی کم پیدا ہوتا ہے۔

لفظوں کی کیفیت سکّوں کی سی ہے۔ اگر اُن کا چلن ہوتا ہے تو ایک نگاہ میں معنی کھل جاتے ہیں ورنہ بعض لفظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آگے کچھ معنی رکھتے تھے اور اب کچھ اور ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو محاورے کے خلاف استعمال کرنا اپنے منور خیال کو تاریک کرنا ہے۔

بہت سے لفظ کریہ ہوتے ہیں اور شرفا کی زبان پر کبھی نہیں آتے اگر وہ مُنہ سے نکل جائیں تو سامعین کے دلوں میں درد و اثر پیدا نہیں کرتے بلکہ تنفر یا مذاق اِن دونوں حالتوں میں مطلب فوت ہوتا ہے۔ کریہ لفظ کسی کو نہیں بھاتا لیکن وہی تحریر ہر ایک دل میں ایک سا اثر نہیں کرتی کیونکہ اصل مین ایک لفظ بمقابلہ دوسرے کے زیادہ کریہ یا زیادہ فصیح نہیں ہوتا بلکہ فصاحت اور کراہیت الفاظ شل اور رواجوں کے موقع اتفاق پر منحصر ہے۔ جو لفظ کمینوں کی زبان پر رہتے ہیں یا جو بُرے موقعوں پر بولے جاتے وہ کریہ ہو جاتے ہیں اُن کے سُنتے ہی سب کے دلوں میں وہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو اُن سے متعلق ہیں۔ نوک جھونک لطیفہ مضحکہ یہ

جو غش کرتے ہیں وہ البتہ سخن آرائی کرتے کرتے شاید ان کے استعمال پر آگریں لیکن نکتہ داں اور سخن سنج اپنے بلند خیالات کو ایسے لفظوں کے استعمال سے کبھی خاک میں نہیں ملاتے۔

تقریر اور تحریر سے یہی تو غرض ہوتی ہے کہ سُننے والا بات سمجھ جاے اور پڑھنے والے پر مطلب واضح ہو جاے۔ اس لئے وہی زبان اکثر درست ہوتی ہے جس میں آورد کا نام نہیں ہوتا شستگی الفاظ پر بہت زیادہ خیال رکھنا بھی مُضر ہے کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ معنی ہوا ہو جائیں اور تحریر و تقریر کا نتیجہ سب عبث ہو۔ عبارت کو عمداً پیچیدہ کر دینا لیاقت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اکثر حماقت کی دلیل ہے کیونکہ جب کلام سے فیض نہ حاصل ہوا تو اس کے لکھنے والے کو بے قدری کے سوا اور کیا حاصل ہوگا۔ تحریر میں مغلق الفاظ جہاں تک نہ رکھے جائیں وہاں تک بہتر ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ لغات کا بالکل متروک ہو جانا ممکن ہے۔ جن کے خیالات وسیع ہونگے بلیغ ہونگے وہ لفظیں کثیر المعنی تلاش کرینگے عام الفاظ سے اُن کا مطلب کب ادا ہوگا۔ اگر ایسے لوگوں پر دقیق لکھنے کا الزام لگایا جاے تو محض بیجا ہے۔ ہر مصنف ہر طالب علم کے واسطے نہیں لکھتا۔ عالم اور ابجد خواں کا ساتھ کیا اور اگر مبتدی نہ سمجھ سکے تو صاحب تصنیف کا کیا قصور۔

لغات کا متروک ہو جانا تو درکنار ان کی تعداد علم و فن کی ترقی کے ساتھ روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جوں جوں جسم و جان کی اندرونی کیفیتیں اور اشیائے خا

کی حقیقتیں کھلتی جاتی ہیں جس قدر فن و ہنر میں باریکیاں نکلتی چلی آتی ہیں ایجادیں ہوتی جاتی ہیں اُسی قدر علماے وقت کو زیادہ ضرورت پڑتی ہے کہ یا تو پرانے الفاظ کو نئے اور خاص معنی میں استعمال کریں یا اپنے ضرب سے نئے الفاظ گڑھیں تاکہ خاص صورتیں اور نئی حالتیں نفس اور اشیار کی اُن سے پیدا ہوں لیکن اِس تصرف کا ہر ادنے و اعلےٰ منشی کو اختیار نہیں ہے یہ اُسی عالی خیال اور بلند فکر کا کام ہے جس کو یہ کہنے کا منصب ہو۔ شعر

معنیٰ[1] ریختہ در قالب لفظ   جوہر خامۂ فولادِ من است (مفید المعنیٰ)

عوام تھوڑے سے ذخیرۂ الفاظ میں اپنی بات کہہ سُن لیتے ہیں لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ لوگ اپنا مطلب خوب بیان کر لیتے ہیں تو غلط ہے اِن کے خیالات خام ہوتے ہیں نہ کہ تقریر آسان۔

[1] معنی جو اس لفظ کے قالب میں ڈھلے ہیں وہ میرے فولادی قلم کے جوہر ہیں

علم کلام میں ایک باریک بحث یہ ہے کہ انسان بغیر لفظوں کی مدد کے کچھ سوچ سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث دشوار کو چھوڑ کر اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ کو خیالات سے کچھ کم نہ سمجھنا چاہئے الفاظ میں بڑا جذب اثر ہوتا ہے۔ جو آوارہ وطن غیر ملکوں میں گھومتے ہیں اُن سے کوئی پوچھے کہ دیس کی بولی سُن کر قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ صاف کہدیں گے کہ سُنتے ہی قوت خیال میں یکایک سلسلہ جنبانی شروع ہو جاتی اور اس سے دل کو عجب تازگی اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

مصوری اور نقاشی کو قدامت کا دعویٰ ہو لیکن شاعروں نے وہ رنگ دکھائے

باندھا ہے کہ نقل سے اصل کا لطف بڑھا دیا ہے۔ بصارت وہم کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے اور ہر شخص کو اپنے وہم کی قوت سے بہت کچھ زیادہ سوجھتا ہے۔ سب قوموں میں ایک ہی قسم کے لفظ زبان پر نہیں رہتے بلکہ جو جس کیفیت میں ہوتی ہے ویسے ہی الفاظ بولتی ہے۔ اگر کسی قوم کے مثلوں کو غور سے دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ بولنے والے اُس کے کہاں رہتے تھے۔ کیونکر اُن کی بسر ہوتی تھی کس درجہ تک ترقی کر گئے تھے۔ اکثر الفاظ میں تواریخ موجود ہوتی ہے اور مورخ جب اور سب راہیں واقفیت کی بند پاتے ہیں تو اس طرف آتے ہیں اور الفاظ کی تحقیقات کر کے سلسلہ تاریخ قائم کر لیتے ہیں۔ الفاظ کو جس قدر بقا ہے اُتنی شاید کسی شئے کو نہیں ہے۔

عدالت

نوع انسان کو ذات باری تعالیٰ سے نسبت تام ہے کیونکہ اُس نے ہم سب کو پیدا کیا اور ہر طرح سے اپنے بندوں پر رحمتیں نازل کیں۔ ہم کو برکتیں عطا کیں اور کُل نوع بشر کو جوہر عقل سے آراستہ کیا تا کہ اپنے فرائض کو سمجھے اور واجبات کو ادا کرے پس اُس کے بندوں پر عین فرض ہوا کہ اپنے خالق کی عبادت کریں اور اپنے ابنائے جنس کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ ان حقوق اور واجبات کا ادا کرنا عدالت ہے لیکن اصطلاح میں عدالت حاکم کے اُس فعل کو کہتے ہیں جس سے حق حقدار کو پہنچے۔

انسان مدنی الطبع ہے اور معاملات اور معاوضات آدمیوں میں ہوتے رہتے ہیں ایک دوسرے کی مدد سے سب کو فائدہ ہوتا ہے اور یہ بھی ایک سبب ہے جس سے ہر دل میں نخل محبت کی ریشہ دوانی ہوتی ہے لیکن جب مشارکت ہوئی اور انسان کی طبیعتوں میں اختلاف واقع ہوا تو کسی کو حرص نے گھیرا اور کسی کے دل میں غرور نے جگہ کی۔ ایک کو دوسرے کی آزار دہی کی فکر ہونے لگی سب شر و خیانت کا ہنگامہ برپا کرنے لگے اس جہت سے عقلا نے حفظ جان و مال کا انتظام کیا اور قوانین و ضوابط وضع کیے تا کہ لوگوں کا حد اعتدال سے قدم بڑھنے نہ پائے۔

یہ ضوابط جب تیار ہوتے ہیں تو واضعان قانون ان کے بنانے میں ہر گروہ کا نفع حتی المقدور مدنظر رکھتے ہیں اور یہ بات کچھ آسان نہیں ہے۔ اس لئے وضع کرنا قوانین کا انھیں عالی دماغوں کا کام ہے جن کے نفس پاک ہیں اور جن پر خاص و عام کی کیفیت بالکل روشن ہوتی ہے۔ یہ واضعان قانون طبیب ہیں جو مرض کے علاج کرنے میں صحت و توانائی جسم کا خیال رکھتے ہیں اور ایک فرقہ کی اصلاح کرنے میں کُل قوم کی بہبودی کو فراموش نہیں کرتے۔

عقلاً اور نقلاً اس بات پر اتفاق ہے کہ عدالت کا درجہ اور سب فضائل سے اعلےٰ ہے بلکہ ارسطاطالیس نے اس کو مصدر فضائل قرار دیا ہے کیونکہ انصاف پر تمام آرام اور آسائش اہلِ جہان کی مبنی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ممکن کیا کہ خصائل حمیدہ رذائل پر غالب رہیں۔ عدل وہ صفت ہے کہ اس کے نتائج شمار سے

باہر ہیں اور سب نیکیوں کا اثر چند آدمیوں تک پہنچتا ہے لیکن عدالت کا اثر کل عامہ خلائق پر ہوتا ہے اس لئے عدالت کو بڑا فوق حاصل ہے شعر

عدالت کن کہ در عدل انچہ یک ساعت بدست آید

میسر نیست در ہفتاد سال اہلِ عبادت را (صائب)

عدالت کی ایک گھڑی انصاف کرنے میں جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ ستر برس عبادت کرنے والے کو بھی نہیں ملتا۔

اب یہ بھی لکھنا ضرور ہے کہ واضعان قانون کی کیسی ہی نیت درست و نیک ہو لیکن عدل گستری حکام کے ہاتھ ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ تعمیل قوانین میں ساعی ہوں اور حسب منشا ، واضعان قانون اُس کو روزانہ برتیں۔ گھٹانا بڑھانا اور حسب خواہش معنی تجویز کر لینا ان کا کام نہیں ہے کیونکہ یہ تو صرف شارح ہیں اور شارح کو اندراج اور اخراج کی کسی کتاب میں کہاں اجازت ہے۔ حاکم عدالت کو علم ہونا فرض ہے مذاق اُس کو زیبا نہیں۔ اُس کے چہرہ پر بزرگی برستی ہو اور نمائش مفہوم نہ ہو۔ جو حاکم منصف ہوتے ہیں وہ صلاح لینے میں کسر شان نہیں سمجھتے۔ تمکنت اور غرور سے پرہیز کرتے ہیں۔ دیانت تو حاکم کا حصہ ہے۔ ملوث حاکم مجرم سے بد تر ہے۔ عوام کی بدکرداری مثلاً اگر دریا کو گندہ کرے گی تو حاکم کی ناجائز کارروائی اُس دریا کے سر چشمہ کو۔

حاکم عدالت کو تین قسم کے لوگوں سے زیادہ تعلق رہتا ہے اوؔل متخاصمین۔ دوؔسرے وکلا۔ تیسؔرے اہلکاران ماتحت۔ متخاصمین۔ ان کا ناانصافی سے کلیجہ جل جاتا اور تاخیر سے دل کھٹا ہو جاتا ہے حاکم عدالت پر جبر و فریب کی بیخ کنی فرض ہے

خصوصاً جب کہ جبر صریح ہوا ور فریب پیچیدہ اکثر ایک فریق کی طرف سے ظلم ہوتا ہے یا ناانصافی یا دوسرے فریق کی یہ نیت ہوتی ہے کہ موقع پاکر انتقام لیجئے ایسا سامان جمع کیجئے اور یورش ایسی کیجئے کہ دوسرا برٹ کے برباد ہو جائے یا ایک فریق استطاعت رکھتا ہے اور با اختیار ہے اور دوسرا غریب بیچارہ نادار۔ ایک طرف سے وکیل موجود اور دوسرے کو مقدور نہیں کہ کوئی لسان آزمودہ کار شخص اپنی طرف سے پیش کرے۔ ان سب باتوں کا خیال رکھ کر حاکم عدالت کو چاہیئے کہ میزان عدل کے دونوں پلّے برابر کرے اور تب حق اور غیر حق کا اندازہ کرے۔

منشاء قانون کو اپنی طبیعت کے موافق مروڑ کر پیچیدہ کرنا اور اُس کے معنی کو شکنجہ میں کھینچ کر خلق کو ایذا پہنچانا بڑا عذاب ہے اور ایذا رسانی کی اِس سے بڑھکر اور کوئی صورت نہیں۔ قانون فوجداری کی غرض تنبیہ اور چشم نمائی ہے جو حاکم شخص مجرم سے نفسانیت ظاہر کرے اور اُس کے درپے آزار ہو وہ عادل نہیں کیونکہ ایسے قوانین کا سختی سے برتنا رعایا کے واسطے ایک جال پھیلانا ہے اور ایسا دام کہ ہر ایک اُس میں پھنس سکتا ہے۔ جو حاکم عدل پرور ہیں وہ قوانین خلاف وقت کا اجرا حتی المقدور بلاضرورت جائز نہیں رکھتے۔ اُن معاملات میں جو حیات اور موت پر مؤثر ہوں مجرم پر نگاہ رحم نہ رکھنا عین گناہ ہے اور جرم سنگین پر نظر غضب ڈالنا عین ثواب کیونکہ یہ یاد رہے کہ عقلا نے موت کی سزا اخیر درجہ کے واسطے اُٹھا رکھی ہے۔

وکلاء۔ اِن کی تقریروں کو سنجیدگی کے ساتھ اور صبر سے سُننا حاکم کو واجب ہے

پہلے سے کسی امر کا قیاس کر لینا جو ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ زبان وکلا سے نکلتا۔ نتیجہ نکالنے میں عجلت کرنا۔ شہادت کو قطع کرنا۔ وکیل کو روک دینا گویا باب واقفیت کو مسدود کرنا ہے اور اس لئے بالکل نامناسب لیکن اس کہنے سے یہ غرض نہیں کہ درمیان میں وقتاً فوقتاً عدالت کی طرف سے سوالات معقول نہ ہوں اور غیر متعلق گفتگو نہ روکی جاوے۔

حاکم عدالت کو عادلِ مطلق کی پیروی ضرور کرنا چاہئے۔ اُس کے ہاں شوخ چشم جھڑکے جاتے ہیں اور باادب وقار پاتے ہیں لیکن حیرت کا مقام ہے اگر حکام خاص خاص اشخاص پر نگاہ عنایت رکھیں کیونکہ اس سے بجز اس کے کہ فریقین خرچہ کثیر سے زیر بار ہوں اور حاکم خود رعایا کی نظر میں مشتبہ اور خوار ہو اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر وکیل نے مقدمہ لیاقت اور دیانت سے کیا ہو تو البتہ حاکم کو اُس کی تعریف میں سر اجلاس کچھ کہنا مناسب ہے خصوصاً اُس فریق کے وکیل کی نسبت جو ہار گیا ہو تاکہ وکیل کی ذاتی لیاقت اُس کے مؤکل کی نگاہ سے نہ گر جاوے اور وکیل اپنی نیک چلنی اور دیانت پر ثابت قدم رہے۔

اہلکارانِ عدالت۔ عدالت مرجع خلائق ہے۔ راہیں اُس کی مظلوموں کی جائے پناہ اور ایوان اُس کا مستغیثوں کے لئے فرح بخش ہے۔ چمن عدالت کی روشیں اور پیڑیاں اگر خار و خس طمع سے پاک رہیں تو کوئی سائل منزل مقصود تک پہنچنے سے محروم نہ رہے۔ پس ایسی بارعام کو ذرا سے نفع ذاتی کے واسطے مسدود کرنا کیا عظیم گناہ نہیں ہے؟ جو اس کے مرتکب ہوتے ہیں وہ کیا اپنی بداعمالی کے

جوابدہ نہ ہونگے۔ **شعر**

چہ دریاہاے خوں میشد رواں از چشم مظلوماں
مکافاتِ عمل را چشم اگر می بست رشوتہا (صائب)

افسوس کا مقام ہے اگر اہلکار عدالت باوجودیکہ قدامت کی جہت سے معاملہ فہمی میں طاق، یادداشت نظائر میں شہرۂ آفاق اور اجرار احکامات میں مشاق ہوں لیکن بوجہ طمع کے حاکم کی رہبری طریق انصاف کی طرف نہ کریں دھوکے دیں اور اس لئے سب کی اور حاکم کی نظر میں بھی بے اعتبار اور ذلیل رہیں۔

محنت کی عظمت

محنت و کار میں ایک سدا بہار شرف و تبرک ہے۔ کیسا ہی انسان تاریکی میں پڑا ہوا اپنے اونچے فرائض کو بھولا ہوا ہوتا ہم جو در اصل سچے من سے کام کرتا ہے اس سے کچھ اُمید کی جا سکتی ہے۔ کاہلی میں تو دائمی نا اُمیدی ہے۔ کام گو بطمع زر کیا جاے۔ کیسا ہی مبتذل ہو۔ مگر فطرت سے مناسبت اور موانست رکھتا ہے اصلی خواہش کہ ہم سے کام درست بنے ضرور ہم کو رفتہ رفتہ سچائی کی طرف لیجلے گی۔ قوانین قدرت کی جانب گھسیٹیگی جن کو حق سمجھنا چاہئے۔

سب سے آخری وید والہام اس دُنیا میں جو نازل ہوا ہے یہ ہے کہ اپنے کام کو

سمجھ کر یہ مجھے کرنا ہے اور اُس کو کر" اگلا حکم یہ تھا کہ "انسان اپنے کو پہچانے" جس کے پھیر میں وہ بہت دن رہا اور شاید اس نے اب تک اپنے کو جانا نہیں کہ کون ہوں اور کیا ہوں۔ اِس پھیر کو چھوڑو اور سمجھو کہ کیا کام کر سکتے ہو اور اسی کام پر مثل رستم کے جُٹ جاؤ تمھارے لئے یہ بہتر تدبیر ہے۔ تقدیر بہر حال ہم کو اور کسی طرح درست و شائستہ نہیں کر سکتی۔

ایک بے ڈول اور بے شکل مادّہ عدم سے گھومتا چکّر کھاتا عرصۂ وجود میں آکر گول مٹول ہو گیا اور قوت ثقل سے لشکل تہوؤں اور کرّوں کے مترتب ہوا یعنی پاشاں پریشان مادّہ ایک گول مضبوط گرہ بن گیا۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کی کیا حالت ہو اگر اُس کا چکّر کھانا بند ہو جائے۔ یہ بیچاری پیر زال دُنیا جب تک کہ گردش میں ہے اس کی سب ناہمواریاں اونچ نیچ غائب ہوتی جاتی ہیں۔ سب اس کا کھڑ بڑھاپن ہر دم ستھرا پن ہوتا جاتا ہے۔ ذرا کبھی کمھار کے چاک کو غور سے دیکھا ہے۔ مٹی کے لوندے سے صرف چاک پر چڑھ کر تیز گھومنے سے کیسی اچھی خاصی طشتریاں بنجاتی ہیں۔ اگر کمھار بلا چاک کام کرے تو کیا گوندھ گاندھ کے بنا سکے گا کچھ نہیں۔ صرف بے صورت اور بدشکل ایک پنڈا بنے تو بنے۔ ایسے ہی کمھار تقدیر سمجھو اُس روح کی جو پڑی رہے آرام کرے کام نہ کرے اور نہ گھومے۔ تقدیر ایسے آدمی کا کیا بنا سکتی ہے۔ اُس کو رنگ سنگ کے تپّی لپیٹ۔ مینا ملمع کر کے رکھو مگر پھر بھی وہ پنڈا ہی ہے گڑھی طشتری نہیں۔ رنگا ہوا برتن بے آبروئی کا ہے۔

کامل لوگ اس پر ذرا خیال و غور کریں۔

مبارک ہے وہ شخص جس نے اپنے شغل و کار کو پالیا۔ اس کو اور کوئی نعمت نہ مانگنی چاہیے اُس نے اپنی زندگی کا کام اور مطلب حاصل کیا اور اُس کام مین لگا رہے گا۔ کیسے جیسے کہ ایک کھلا چلتا دھرا جو بڑے زور سے کاٹا گیا ہے ایک ناگوار سڑی گلی ترائی وجود میں سے نکلا ہے وہ ایک گہرا دریا ہے جو بڑھتا جاتا ہے جیوں جیوں بہتا جاتا ہے اور سڑے بودار پانی کو آہستہ آہستہ پیڑ پودے گھاس کی جڑوں میں سے نکال کر بہالیجاتا ہے۔ اور ایک مہلک دلدل و ترائی کو مرغزار شاداب اور باغ ثمردار بنا دیتا ہے جس میں وہ چشمہ بہہ رہا ہے جو اُس کے لئے غنیمت ہے گو اس کی قدر و قیمت کم ہو خواہ زیادہ۔

محنت جان ہے پران ہے۔ کام کرنے والے کے اندرون دل سے خدا کی دی ہوئی توانائی اور طاقت آ بجتی ہے۔ یہ پاک آسمانی روح زندگی کی ہے جو خدا نے اس میں پھونکی ہے اور اُس کے گوشۂ دل سے وہ شرافت وہ حکمت وہ نفس کا علم اور اور باتیں جیوں ہی کام لیاقت سے شروع کیا جاتا ہے سب جاگ اُٹھتی ہیں علم۔ ہاں علم جو کارآمد ہے کام میں اُس کو اپنا کر رکھو کیونکہ فطرت خود تمھاری قبول کرکے کہتی ہے کہ ہاں یہ ہے۔ ٹھیک تو یہ ہے کہ ہمیں اور کیا علم ہے سوائے اس کے کہ جو کام کرنے میں حاصل ہوا ہے باقی سب تصورات ہیں تصدیقات نہیں۔ ایسے خیالات مدارس میں معرض بحث ہوا کرتے ہیں جو بادلوں میں اُڑتے پھریں۔

بے انتہا منطقی چکروں میں رہیں جب تک کہ ان کی جانچ ہو اور وہ قائم کئے نہ جاویں سچ ہے تو سواس وشک کسی قسم کا ہو عمل ہی سے رفع ہو سکتا ہے"

پھر اگر تم نے صبر۔ شجاعت ۔ استقلال ۔ بے تعصبی کی قدر کی ہے اور اپنی غلطی کے مقر ہونے پر تیار رہو اور کہتے ہو کہ ہم دوسری بار اس سے بہتر کریں گے۔ ان سب وصفوں کو قدرتی جکڑ پکڑ میں واقعات کی طاقت سے کشتی کرنے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نپٹنے میں تم برابر سیکھتے جاؤ گے اور کہیں نہیں ایسا تجربہ حاصل کر سکو گے۔ کام میں اُونچ آدمی یا فطرت کی ہمیشہ بے زبان اور خاموش ہوتی ہے کچھ کہتی نہیں جب تک کہ نظر آتی نہیں۔ ہر ایک عمدہ کام اوّل اوّل ناممکن ہوتا ہے کیونکہ اُس کی ممکنات منتشر ہوتی ہیں کسی کو سوجھتی نہیں سوائے اس شخص کے جو اس پر ایمان و یقین کامل لایا ہو مثل گِڈین کے اُس کو اپنے دروازہ پر کملی پھیلائی ہوتی ہے تاکہ دیکھے کہ اس وسیع آسمان کے تلے کچھ اُس کی کریمی کائم ہے کہ نہیں۔ تمھارا دل اور مقصود زندگی گِڈین کی کراماتی کملی ہو گی جو خدا سے مانگنے کے لئے پھیلی ہوئی ہے اور اس مہربان فراخ حوصلہ وسعت عالم سے نہ کہ نامہربان تنگ دل مقامات ارضی شہر و قریہ سے۔ وہ مبارک شبنم ضرور تمھارے لئے کافی مقدار میں گرے گی۔

کام دھرم سا ہوتا ہے۔ کام شجاعت سا ہوتا ہے جو سب دھرموں کا مقصد ہے۔ آدمی کا کُل کام پیراک کا سا ہے۔ ایک بحر ذخار ناپیدا کنار اُسے لقمہ کر جانے کو

تیار ہے۔ اگر وہ اُس کا بہادری سے سامنا نہ کرے تو وہ جو چاہے گا اُس کا کرے گا۔ لگاتار ہوشیاری سے اِس کا مقابلہ کرتے عقلمندی سے ہاتھ پیر مارتے دیکھو کیسا وہ غلام بنکر پانی پر سہارا دیتا ہے اور اپنے مغلوب کرنے والے کی سواری لے چلتا ہے۔ ایسا ہی حال بقول جرمن حکیم گوئٹے کے سب باتوں کا ہے جو اِنسان اِس دنیا میں کرنے کو لیتا ہے۔ کام کو میں نے دھرم کہا ہاں سچ تو ہے سب سچا کام دھرم ہے اور جو کام دھرم نہیں خدا اور رسول کے لئے کیا گیا نہیں وہ جاوے درویشوں بیراگیوں اور سناسیوں میں رہے یا جہاں من چاہے وہاں رہے۔ یہاں ہمارے پاس اِن کے لئے جگہ نہیں ہے۔ پرانے عیسائی مہنت کیا خوب کہتے تھے "کام ہی دھرم ہے"۔

نزول آسمانی کتابوں سے پہلے یہ بے وعظ کہا ہوا بے زبان ہمیشہ کے لئے پائدار الہام ہوا تھا کہ کام کر اور اُس میں اپنا سُکھ اُٹھا۔ اے آدمی آسمان و زمین کے بیٹے کیا تیرے اندرون گوشۂ خاطر میں ایک روح ترتیب و تدبیر کی ایک قوت کام کرنے کی نہیں واقع ہوئی ہے۔ جو مثل دھیرے دھیرے جلنے والی آگ کے سُلگتی رہتی ہے اور تجھے چین نہیں دیتی جب تک تو اُسے کھول نہ دے۔ جو بے ترتیب اور بیکار اُوسر پڑا ہے اُس کو جو با ترتیب اور قاعدہ سے مزروعہ کر کے تیرے حکم میں رہ کر ثمردار ہو۔ جہاں کہیں تو بدنظمی دیکھے جو کہ تیری ازل سے دشمن ہے اُس پر تو جلد حملہ کر۔ اُس کو زیر کر اُس میں ترتیب و سُدھار نکال جو محکوم عدم نہیں بلکہ عقل کے الوہیت کے اور تیرے بندے ہیں۔ اس خار و جھنکاڑ کو جو تیری راہیں

لگا ہے کھود کر پھینک دے تاکہ کوئی تنکا گھاس کا کوئی قطرہ دودھ کا اس کی جگہ پیدا ہو۔ فصلہ روئی کے پودے کا سفید سفید ملائم ریشے ور گرے پڑے ہوؤں کو کات بُن ڈال تاکہ بجائے بیکار بچالی کے نہ دار تھان بنے اور ننگا بدن آدمی کا اس سے ڈھکے۔

مگر سب سے بڑھکر تو یہ بات ہے کہ جہاں کہ تو جہالت۔ بیوقوفی۔ وحشی پن دیکھ اُس پر حملہ کر اُسے عقلمندی سے چوٹیں لگا تھک نہ اور دم نہ لے جب تک کہ تو جیتا ہے اور وہ باقی ہیں ضرب لگا لگا خدا کا نام لیکر۔ خدا جیسا کہ میری سمجھ میں آتا ہے زور سے تجھے حکم دیتا ہے ہاں تاکید سے اگر تجھے سُننے کے لئے کان ہیں۔ وہ ہاں وہ بے بولنے برق کوہ طور اور زور شور کے بگولوں سے بھی زیادہ صاف کہتا ہے۔ کیا خموشی گہری ازل کی اُن دُنیاؤں کی جو صبح کے تاروں سے بھی پرے ہیں کیا تم سے نہیں کہتی۔ جُگ جو پیدا نہیں ہوئے۔ پُرانی قبریں جن کا ریختہ اینٹ سب خاک ہو رہا ہے جو آنسوؤں سے تر رہتے تھے اب سب خشک۔ کیا یہ سب تجھسے نہیں کہتے جو کبھی کانوں نے نہیں سُنا۔ ستارے جن کے دور کا خاتمہ نہیں یہ سب زمین و زماں ایک زیر لب نصیحت سے تجھکو آگاہ کرتے ہیں تو بھی اگر انسان کو واجب ہے کام کر جب تک کہ آج کا دن ہے کیونکہ رات آرہی ہے اور اس میں آدمی کچھ کام نہیں کر سکتا ہے۔

سارا سچّا کام پاک اور متبرک ہے۔ سب سچّے کام میں گو وہ ہاتھ ہی کا کام

کیوں نہ ہو ایک الوہیت سی ہے۔ محنت جو دُنیا سے کشادہ تر ہے اپنی چوٹی آسمان پر رکھتی ہے۔ ماتھے کا پسینہ اور اس سے بڑھکر مغز کی عرق ریزی۔ دل کی عرق ریزی جس میں کُل علوم حکمت۔ گُل بوٹے ہوئے شعر و سخن سب کارنمایاں دلیریاں جو دکھلائی گئیں سب شہادتیں اُس نزع کی خونی پسینہ تک جس کو تمام لوگوں نے ربانی مانا ہے۔ اے برادر اگر یہ پوجا نہیں ہے تو میں کہتا ہوں پوجا بیچاری رحم کے لائق ہے کیونکہ ہم کو سب سے زیادہ شریف اور پاکیزہ شئے خدا کے آسمان تلے ابتک یہی ملی ہے تو کون ہے جو اپنے محنت و رنج زندگی کا شاکی ہے۔ شکایت نہ کر ذرا اوپر نظر اوٹھا کر دیکھ۔ اے میرے تھکے ہوئے بھائی دیکھ تیرے ساتھی کاریگر وہاں خدا کے ازلی گھر میں کام کر رہے ہیں جتنے ہیں وہاں وہی صرف جیتے ہیں پاک گروہ۔ امر دیوتاؤں کا آسمانی باڈی گارڈ انسان کی شاہنشاہی کا۔ انسان کے کمزور حافظہ میں بھی وہ ابتک بنے ہیں۔ اولیا سور بیر دیوتا کہلاتے ہیں وہی صرف زندہ رہتے، وہی صرف اُس نا محدود ناپیدا کنار کشور وقت کو آباد کئے ہوئے ہیں۔ تیرے اوپر خدا گو کہ قہار و جبار ہے نا مہربان نہیں ہے۔ خدا مہربان ہے۔ مثل شریف ماں کے مثل اُس اسپارٹن ماں کے جس نے اپنے بیٹے کو ایک ڈھال یہ کہکر دی کہ لڑائی میں سے بیٹا اسے لے آنا یا اس پر آنا" تو بھی ایک روز گھر جائے گا اپنے دور دراز گھر جاوے گا۔ اور اس میں شک نہیں عزت سے اگر اس عرصۂ کارزار دُنیا میں تو نے اپنی سپر برقرار و قائم رکھی تو ازل و ابد میں کوئی نیا

پنچھی نہیں ہے تو ہر مقام کے باشندہ ہونے کا حق رکھتا ہے۔ شکایت کیا کرتا ہے اسپارٹن لوگوں نے تو کبھی اُف تک نہ کی۔

تواریخ و تذکرہ

حدیث بادشاہانِ عجم را ۔۔۔ حکایت نامۂ ضحاک و جم را

بخواند ہوشمندِ نیک فرجام ۔۔۔ نشاید کرد ضائع تیرہ ایام

مگر کز خوے نیکاں پند گیرد ۔۔۔ وز انجام بداں عبرت پذیرد (سعدی)

ملوک ایران کی حکایتیں اور ضحاک اور جمشید کی حکایتیں ہوشیار اور نیک انجام پڑھے گا اور اپنا وقت ضائع نہ کرے گا بلکہ نیک آدمیوں کی عادتوں سے نصیحت حاصل کرے گا اور بُرے لوگوں کے بُرے انجام سے اس کو عبرت ہوگی۔

جن لوگوں نے تاریخیں پڑھی ہیں اُن کے دل سے کوئی ان کے فوائد پوچھے جن صاحب طبعوں نے اس راہ میں نازک خرامی کی ہے اُن کی گُل افشانی کو کوئی دیکھے تو اس کی عمدہ کیفیت اور دلچسپ فضا کا قائل ہو۔ حظ اور فوائد جو تاریخ پڑھنے میں حاصل ہوتے ہیں اُن کو بہ تشریح لکھنا خالی از لطف نہیں ہے۔ یہ وہ میدان ہے جس کی ہوا ہر شخص کو نافع ہے جنھوں نے تاریخ کو شوقیہ پڑھا ہے تمام عمر اس کو ضیافت طبع خیال کیا ہے اور جن صاحبوں نے علم حاصل کرنے اور تجربہ پیدا کرنے کی غرض سے اس کا مطالعہ کیا ہے وہ زمانہ کے اوضاع دیکھکر ہمیشہ اپنے نفس کی درستی میں ساعی رہے ہیں اور اکثر کامیاب ہوئے ہیں یا سلطنتوں کے انقلابات کی وجہیں خوب سمجھ کر مدار المہامی میں کمال

حاصل کرے گئے ہیں اور دنیا میں عزو شان۔

سب نے اس کو تادیب عقل کا مدرسہ قرار دیا ہے۔ جن کو گذرے ہوئے زمانوں سے واقفیت پیدا کرنی منظور ہوتی ہے اور اگلے دلاوروں سے تعارف حاصل کرنا ملحوظ خاطر ہے وہ اسی کی دن رات سیر کرتے ہیں کیونکہ تاریخ ایک دوربین ہے جس کے ذریعہ سے ہماری نگاہ عرصۂ وسیع اور زمانۂ دراز تک پہنچ سکتی ہے اور سلف کی باتیں اس کے وسیلہ سے دیکھنے میں آتی ہیں۔

تواریخ پڑھنے سے فہم کو مدد ملتی ہے اور حافظہ اس کا آلہ ہے جب گذری ہوئی کیفیت معلوم ہو تو حال کے حالات پر غور کرنے سے کسی امر میں پیش گوئی کرنا کیا مشکل ہے یا کسی فعل کے نتیجے اول ہی سے واضح کر دینا کب محال ہوگا انسان کی فطرت بدلتی نہیں وہی خواہشیں اور جذبات اُس کے نفس کو متحرک کیا کرتے ہیں۔ ہر نسل کے افراد میں وہی سود و زیاں کا خیال باعث فعل و انفعال ہوتا ہے اس لئے اب کوئی بات ایسی وقوع میں نہیں آسکتی جس کی نظیر یں سابق میں نہ موجود ہوں پس اگر خدا نے کچھ بھی عقل ذی ہوگی تو وہی اسباب پیش نظر پا کر صحیح نتیجہ نکال لینے میں کبھی دھوکا نہ کھائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مشیت ایزدی بھی کوئی چیز ہے اور ہمارے افعال اُس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہیں لیکن اسباب دنیوی میں جو سررشتہ خلقی قائم ہے اُس کو جو فہیم ہوگا بآسانی دیکھ لے گا اور گو حادثات سے جو ہونے

والے ہوں لاعلم رہے اور کُل باتوں کی نسبت پیشین گوئی نہ کر سکے تاہم ماضی وحال کے ساما نوں کا مقابلہ کر کے یہ کہہ سکے گا کہ ایسے مشوروں اور ایسی رایوں سے ایسی باتیں وقوع میں آئیں گی۔

تواریخ داں کو زیادہ کھو کر سیکھنا نہیں پڑتا دُنیا کے اُمور میں اور خاص اپنے ذاتی کاموں میں وہ بہت جلد واقفیت پیدا کر لیتا ہے اور یہ سمجھ لیتا کہ کن کن باتوں سے پرہیز کرنا اچھا ہے اور کن کا اختیار کرنا لازم اور انھیں دو باتوں پر ہر شخص کی راحت و کامرانی منحصر ہے۔

اگر سوانح عمری یعنی کسی خاص شخص کے تذکرہ پر نظر ڈالی جاے تو اور بھی لُطف کثیر حاصل ہوتا ہے اور اس کے مطالعہ سے ہمارے افعال پر زیادہ تر اثر پڑتا ہے۔ تذکرہ کا رُتبہ تاریخ سے کم ہے کیونکہ تذکرے میں اس قدر وسعت نہیں جتنی کہ تاریخ میں ہوتی ہے۔ تذکروں میں رزم و بزم کا حال اُسی قدر درج ہوتا ہے جتنا کسی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہے مثلاً جن اُمور قومی سے وہ فرد بشر عروج پاتا ہے یا اُس کا رُتبہ گھٹ جاتا ہے وہی لکھے جاتے ہیں۔ زمانہ کے حالات وہی آمیں درج کئے جاتے ہیں جو اُس شخص کے اطوار اور چلن کے باعث ہوئے ہوں۔ مثلاً جس کیفیت میں وہ پیدا ہوا ہو جس میں اُس کی بود و باش رہی ہو یا جن ذریعوں سے اُس نے کام نکالا ہو تذکرے میں صرف ایک ہی کے افعال اور اقوال مکتوبوں اور چشمتوں سے سروکار رہتا ہے اور اس میں شخص مذکور ایسا ہوتا ہے جیسا

پرانے طریقہ پر کرہ ارض جس کو قدما مرکز و سبب نظام عالم تصور کرتے تھے۔

گو تذکرہ کا رتبہ کم ہو لیکن ہر خاص و عام کو اس کے دیکھنے سے پند و لطف زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ نکوئی اور فضیلت زیادہ اثر کرتی ہے اگر عام فرد بشر میں اُس کا ظہور ہوتا ہے۔ شعاعیں آفتاب کی جب آتشی شیشہ پر ایک مرکز میں جمع ہو جاتی ہیں تو کیسی حرارت اور سوزش پیدا کرتی ہیں اسی طرح سے نیک افعال کسی شخص کے اگر ایک قصہ مسلسل میں نگارش پاتے ہیں تو ہمارے دلوں پر بہت بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

کُل تواریخ کو نصائح اخلاق سمجھنا چاہیئے جو تمثیلاً بیان کی جائیں نہ کہ بطور قواعد۔ تاریخ اور تذکرے تالیف قلوب سے سب کو نیکی کی جانب مائل کرتے ہیں اور شخصی نظیریں سب کے دلوں میں زیادہ جگہ کرتی ہیں۔ تمثیل جتنی قوی ہوتی ہے اُتنا ہی زیادہ اثر کرتی اور جتنی زیادہ مشہور ہوتی ہے اُتنی ہی زیادہ قوی ہوتی ہے۔

لیکن تذکروں میں ایک بات اور ایسی ہوتی ہے کہ تاریخوں میں نہیں پائی جاتی یعنی اِس کے طرز بیان میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ اگر ایک مقام پر دربار شاہی اور اُمور خلافت کا ذکر کیا جائے تو دوسری جگہ کارخانگی اور خلوت کا بیان ہو سکتا ہے اور جتنی عادات اور جتنے خانہ داری کے حالات زیادہ لکھے جاتے ہیں اُسی قدر تذکرہ زیادہ دلچسپ ہوتا ہے جب دربار کی پوشاک اُتار کر رکھدی گئی تو تصنع اور بناوٹ کا کام ختم ہو گیا۔ سب لوگ اپنے بال بچوں

میں عجب لُطف و یگانگت بات چیت میں ظاہر کرتے ہیں اور قید دنیا سازی سے
آزاد معلوم ہوتے بیوقوفیاں کرتے ہیں جوش و غضب میں آتے ہیں ایسے حالات
پڑھنے سے ادنےٰ ادنےٰ آدمیوں کو بڑے آدمیوں کی نسبت اُنس و ہمدردی
پیدا ہو جاتی ہے جب آگے اُن کے عزت کرتے ہوں گے تو اب محبت کرنے
لگیں گے۔ اُن کی آنکھ پر سے ایک پردہ سا اُٹھ جائے گا اور ثابت ہوگا کہ اللہ
اللہ جن کو فرشتہ سمجھے تھے اور جن کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے تھے وہ شکر ہے کہ آدمی
نکلے اور ہمارے ہم جنس۔

ہمارے نزدیک مُتاخرین متقدمین سے زیادہ مزہ میں ہیں اور ان کو
کامرانی کے موقعے خوب حاصل ہیں کیونکہ ایسی تعلیم دینے والی نظریں جو ہمارے
سامنے موجود ہیں وہ متقدمین کو کہاں میسر تھیں۔ اُن کو تو صرف اپنے زور
طبیعت پر بھروسا کرنا پڑتا تھا۔ اِس لئے بڑے آدمیوں کا اور لائق شخصوں
کا احوال لکھ رکھنا دو وجہوں سے مناسب ہے۔ اوّل یہ کہ ہم کو اپنے اکابر
کا شکریہ ادا کرنا صرف اسی طور سے ممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے تذکرے
سب کے واسطے عمدہ دستور العمل ہو سکتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے چراغ ہدایت

دوستی کا برتاؤ

سب اِس کو مانتے آئے ہیں کہ دوستی انسان کی راحت کو دو چند اور مصیبت کو نصف کر دیتی ہے یعنی ہماری خوشی میں دوست بھی ہمارے ساتھ خوش ہو کر اُس خوشی کو دو چند کر دیتا ہے اور غمی میں دوست کی ہمدردی سے رنج کا آدھا بوجھ ہم پر سے ٹل جاتا ہے۔ اگرچہ یہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہے مگر اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ بہت سے دوست رکھنے بہتر ہیں۔ عقلاء متقدمین میں سے ایک کا قول ہے کہ "بہت سے ہوا خواہ بنا مگر دوست بہت کم۔ سب کے ساتھ امن سے رہ مگر ہزار میں سے ایک کو اپنا صلاح کار بنا" یعنی دوستی کم آدمیوں سے کر اور کسی کو دشمن نہ بنا کیونکہ دوستی کا نباہنا مشکل ہے دوستوں کی تعداد کے ساتھ ہماری مشکل بڑھتی جاتی ہے اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت ہوتی ہے۔ بگڑے ہوئے دوست سے زیادہ کوئی خطرناک دشمن نہیں۔ وہ ہمارے عیوب اور بھیدوں سے واقف ہوتا ہے اور ہزار ہا ایسی مضرتیں پہنچا سکتا ہے جو کہ ناواقف دشمن کے اختیار میں نہیں ہو سکتیں۔

سب سے آسان دوستی وہ ہے جو کہ بغیر آپس کی شناسائی کے ہوتی ہے۔ ایسی محبت میں ہمیشہ ہم کو اختیار رہتا ہے کہ کس قدر دوستی رکھیں اور اسی سے کے بالکل موقوف کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اس حالت میں کوئی اپنا دشمن

نہیں بنتا مگر یہ دوستی ادنےٰ قسم کی دوستیوں میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ جس قدر دوستی کی مقدار قلیل ہوتی ہے اسی قدر اس سے حظ اور فائدے بھی کم حاصل ہوتے ہیں پس صرف اسی دوستی پر قناعت کرنی بیجا ہے۔

البتہ دوسرے قسم کی دوستی جس کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں سب سے زیادہ کارآمد ہے اور عام برتاؤ میں آتی ہے یعنی وہ محبت و اُلفت جو کہ بسبب ربط و ارتباط کے پیدا ہوتی ہے اور جس سے صحبت کی خوشی اور صلاح کی درستی مترتب ہے سب سے مقدم شرط اُس دوستی کی یہ ہے کہ دونوں شخص اپنے مرتبہ دنیوی کو بالکل بھول جاویں اور گو ایک دوسرے سے دولت و منزلت میں بدرجہا بڑھکر ہو اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھے۔ بعد اس شرط کے ثابت قدمی اور صداقت طینت ہے یعنی تلون مزاجی اور بد باطنی دونوں میں نہ ہو۔ ایسے دو شخصوں میں کامل دوستی نہیں ہوتی جن میں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلےٰ سمجھے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہ ہو لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں نہ رکھیں اور یہی مقدم باعث ہے کہ مختلف درجہ کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا شاذونادر ہے۔

ہم یہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سچے دوست سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں وہ رنج و خوشی میں یکساں ہماری ہمدردی کرتا ہے مگر ہم کو اُس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہیئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے حظ کو خراب کر دیتا ہے ہماری

مراد اُس بیہودہ مشغلے سے ہے جس کو دل لگی یا ہنسی یا مزاح کہتے ہیں۔ ہم ہنسی یا مزاح کے فی نفسہ دشمن نہیں بلکہ ضرور ہے کہ جب دو دوست بالکل گھل مل جاویں تو آپس میں اپنی خوشی کے واسطے کچھ ہنسی کی باتیں کریں مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہے۔ یہ وہ طریقہ مزاح کا ہے جس سے دوست بجائے خوش کرنے کے رنج دیتا ہے یعنی اپنے دوست کی کسی سچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہے اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرنا گویا اس کے بُرے ہونے کو جتاتا ہے اور یہ بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ سچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہے اور اپنے دوست کی ہجو اور اہانت کرکے اُس کو رنج دینا ہوتا ہے۔

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اور طرز دوستی کا یعنی آپس میں گالی گلوچ کا ہونا کمال محبت سمجھی جاتی ہے اس جگہ اُس کی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو کہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور گو دل میں محبت نام کو بھی نہ ہو مگر ہمارے ساتھ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں۔ اکثر ایسے ہی لوگ رنج دل میں ڈالنے والے ہنسی کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور خود بیہودہ خوشی حاصل کرتے ہیں مگر اس سے بھی بدتر

ایک اور کمینی عادت ہے کہ ہنسی کے پردہ میں کسی کو طعنہ دینا یا ایسی بات اشارتاً کہنی جو کہ حقیقت میں اُن کو کہنی منظور تھی مگر اپنی بدباطنی کے سبب صاف نہ کہہ سکتے تھے۔ یہ بات ذرا غور سے سمجھ میں آویگی اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے پالا پڑتا ہے۔

اصل ہنسی وہ ہے جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جس کے ذکر سے اُس کو رنج نہ ہو۔ ایک قسم کی بات گڑھنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھ جھنجھلاہٹ آوے تو وہ غصہ ہرگز موثر نہیں ہوتا اور نہ اُس سے کچھ ہرج ہوتا ہے بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد سب کو اُس سے خوشی ہوتی ہے۔ خود اُس دوست کو جس کی کہ ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہے۔ ہم کو یہ بھی بیان کرنا ضرور ہے کہ ہنسی میں کوئی جھوٹ بات بیان کرنی جائز نہیں سوائے اُس کے جس کا غلط ہونا صریح ہو ایسا جھوٹ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود صاف دکھاتا ہے اور اُس سے کسی قسم کا ہرج نہیں ہوتا۔

ایک اور بات پر غور کرنا چاہئے۔ یہ مقولہ سب دوستوں میں مشہور ہے کہ دوست کا مال اپنا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہایت اعلےٰ اور عمدہ قول ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اس کا بھی برتاؤ بُری طرح پر ہوتا ہے۔ اکثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اس سبب سے کوئی اچھی شئے نہیں رکھتا کہ اُس کے ملاقاتی اُسکے پاس وہ شئے نہیں رہنے دیتے۔ دوست اچھی شئے نہیں چھوڑتے یہ اکثر سُننے میں آتا ہے۔ کوئی شئے

اِس سے زیادہ شریف اور اعلیٰ نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اُس کے لئے سمجھے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی حقیر بات نہیں کہ باوجودیکہ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے دوست کو ایک شئے نہایت پسند ہے اور اس لئے اُس کو عزیز رکھتا ہے پھر بھی ہم اُس سے اُس شئے کی درخواست کریں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اُس کا اُصول کس قدر غلط ہے اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شئے کو پسند کریں جس سے اُس کو کسی قسم کی آسائش یا خوشی ہو تو کس قدر محبت کے خلاف ہے کہ اس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسائش میں خلل انداز ہوں اگر وہ شئے ہماری دانست میں عمدہ ہے ہم کو چاہیئے کہ یہ خواہش کریں کہ ہم سے پہلے ہمارا دوست اچھی شئے رکھے اور خوشی اور آسائش حاصل کرے نہ یہ کہ اُس سے وہ لیکر محبت کے برخلاف بات کریں باوجودیکہ ہماری دانست میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہے لیکن تاہم اُس سے صرف وہ چیزیں لینی چاہئیں جو کہ ہماری ہی دانست میں عمدہ ہیں مگر اُس کو کچھ چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُن کی درخواست کی جاوے جبکہ ہم کو کچھ شک نہ ہو کہ اُس خاص شئے کے لینے سے ہم کو اپنے دوست کی آسائش سے (جو کہ اُس چیز خاص سے اُس کو ہوتی ہو) بدرجہا بڑھکر ہوگی۔ اکثر اِس طرح بھی محبت میں فرق آتے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے ایک شئے کی درخواست کی اور اُس نے انکار کیا تو ظاہر ہے کہ محبت میں فرق پڑا۔ سچی دوستی کا

ایسی حالت میں یہ مقتضی ہے کہ اگر درخواست کنندہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شئے دوست کو نہایت عزیز ہے اور اس ناواقفیت کی حالت میں درخواست کر تو معلوم ہوتے ہی اپنی درخواست کو واپس کر لے اور اُس شئے کے نہ لینے پر مُصر ہو۔ اس بات کو غور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی شئے کا جو کہ ہمارے دوست کو عزیز ہے مانگنا اُسی قدر محبت کے خلاف ہے جس قدر کہ اُس دوست کا اُس شئے کو درخواست کے بعد نہ دینا۔ اگر کوئی وجہ خاص ایسی درخواست یا انکار کی ہو تو سچے دوستوں کو لازم ہے کہ صاف بیان کر دیں اور نہ یہ کہ محبت میں خلل آنے دیں۔

کیا اچھا قول ہے کہ "دوست حقیقی ایک بہت مضبوط پناہ ہے اور جس نے ایسا دوست پا لیا گویا ایک بڑا خزانہ پایا۔ سچا دوست زندگی میں امراض کی دوا ہے اور جو لوگ دل سے نیک ہیں اپنی نیکی کی صلہ میں ایسا دوست پاویں گے" سب سے خوبصورت اور غور و تامل کے لائق اس مقولہ کا اخیر حصہ ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی صفائی کے بغیر ہم کو سچا اور وفادار دوست نہیں ملتا ع دل را بدل رہے است دریں گنبدِ سپہر۔ وہ شخص جو کہ خود صاف اور نیک ہے ضرور کبھی نہ کبھی اپنا سا دوست پاوے گا اور گو اپنی صفائی کے سبب اس کو کبھی بدلوگوں سے مضرت پہنچے مگر بلاشبہ سچے دوست کے ملنے سے محروم نہ رہے گا مگر بدباطن کو کبھی اچھا دوست نصیب نہیں ہوتا اگر اُس کی سعی

خاصیت کا شخص ملا تو وہ اُس کی نسبت اُتنا ہی شبہ کرے گا جتنا کہ یہ اُس کی نسبت اور کبھی کھُل کر دوستی نہیں ہونے کی۔ اگر بد باطن شخص کسی صاف باطن سے ملے تو اُس کو اُس کی نسبت بھی اپنی بدطینتی کے سبب شبہ رہے گا اِس بات کی فکر میں رہے گا کہ اس کے بھید معلوم کروں اِسی خواہش میں مبتلا ہو کر چھپ چھپ کر باتیں سُنے گا اور اگر اتفاقاً کوئی ایسی بات سُن پائی جو اس کی دانست میں اس کے برخلاف ہوئی تو اُس کو اپنی غلبت تصور کر کے اپنے دل میں اپنے تئیں مبارکباد دے گا کہ کس ہوشیاری سے بھید معلوم کیا گو وہ بات جو کہ اس نے چھپ کر سُنی (اور اس طرح پر بات سُننی اور چوری میں کچھ فرق نہیں) ایسی ہو کہ اُس صاف باطن شخص کو اس کے روبرو کہنے میں بھی کچھ تامل نہ ہوتا ایسے شخص کو کبھی سچے دوست کی سی نعمت نصیب نہیں ہوتی تعجب نہیں کہ تھوڑے عرصہ تک صاف باطن اُس بدباطن شخص کو اچھا اور صادق دوست سمجھے مگر نہایت جلد اُس کی حرکات سے اُس کی خاصیت کھُل جاتی ہے اور صاف آدمی اپنے اِس ملاقاتی سے متنفر ہو جاتا ہے

جتنا دوست پُرانا ہو کا جاتا ہے اُتنی ہی قدر بڑھتی جاتی ہے اور گو اکثر ہم کو نئے دوست کی وفا پر اُتنا ہی بھروسا ہو جاتا ہے جتنا کہ پُرانے دوست پر مگر تاہم پُرانے دوست کے ساتھ زیادہ تجربہ زندگی کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ وہ قدیم ہے اُس کی قدر زیادہ ہوتی ہے مگر گہری دوستی بڑے اندیشہ کی ہے اور اس کے برقرار رکھنے کے لئے ہم کو بڑی احتیاط لازم ہے۔ ایک دفعہ دوستی ٹوٹنے کے

بعد گو عقلمند اور عالی ہمت شخص اُس شخص کا جو کہ اُس کا دوست تھا قصور معاف کر دیگا مگر پھر دوستی کا ہونا مشکل ہے اور میری دانست میں اُس شخص سے جو کہ ہمارے ساتھ دوستی کا دعویٰ کر کے ہمارے ضرر کی بات دانستہ کرے دوستی پھر نہ کرنی چاہئے گو اُس کا قصور بالکل دل سے معاف کر دے اور صلح کرے۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ حرکت جس سے ہم نے ناراض ہوکر ملاقات ترک کی تھی حقیقت میں دشمنی کی نہ تھی تو پھر محبت کے جاری کرنے میں کچھ حرج نہیں اور ایسی بات کو اگر کوئی شخص معاف نہ کرے تو وہ بہت بیرحم اور بے مروت سمجھا جانا چاہئے۔

ایک عقلمند کا مقولہ مشہور ہے کہ "اپنے دشمنوں سے دور رہو اور دوستوں سے ہوشیار" گو یہ قول ایک دانا شخص کا ہے مگر ہم اس کے اخیر حصہ سے متفق نہیں، وہ دوستی کیا جس میں کہ دوست پر کچھ بھروسہ نہ کیا جاوے اور وہ محبت کیا کہ جس میں اپنے دوست کی وفا پر شبہہ رہے۔ شاید یہ قول دنیا کے کاروبار میں نہایت ٹھیک ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے خیالات دوستی کے قطعاً برخلاف ہے۔ اس مقولہ سے گویا یہ سکھاتا ہے کہ دوست کو بھیدوں سے مطلع نہ کرے مگر ایسی حالت میں سب سے بڑا فائدہ دوستی کا جاتا رہتا ہے۔ وہ شخص نہایت نادان بلکہ خائن ہے جو کہ اپنے دوست کے بھیدوں سے دوسروں کو مطلع کرتا پھرے۔ ہم کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا رازدار بنائیں مگر یہ بیشک

امانت کے برخلاف ہے کہ اپنے دوست کے بھیدوں کو غیروں پر کھول دیں۔
الغرض اپنے دوست کی بڑی خاطرداری لازم ہے اور کوئی بات اُس کو رنج دینے والی نہ کرنی چاہیئے۔

مصرع "دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں"

بڑے دوست کی ذرا سی محبت کے برخلاف بات سے بڑا رنج ہوتا ہے اور ایک دفعہ ایسی دل شکنی کے بعد دوستی کا جاری رہنا دشوار ہے کیونکہ۔

ع دل[1] راشکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

جو فوائد کہ ہمارے دوست سے ہم کو ہوتے ہیں یہ سب فائدے اکثر دوست کے اپنے بغیر کچھ تکلیف اُٹھائے یا کچھ دولت صرف کئے نہیں ہوں گے اور اس لئے اُنکے سبب سے ہم پر اس کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ ایسے احسان کے معاوضہ میں صرف اُس سے محبت زیادہ کرنی چاہیئے اور مقولہ مشہور۔ حساب دوستاں در دل۔ نہایت غلطی پر مبنی ہے اگر اس مقولہ کے معنی یہ سمجھے جائیں کہ جب کوئی دوست ہمارے لئے اپنی کچھ دولت صرف کرے یا کسی اور طرح ہم کو ممنون کرے تو اُس کے احسان کو ہم اپنے دل میں رکھیں اور موقع پر اس کو اُتار دیں۔ ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہ رہیں گے کہ یہ معنی اس مقولہ کے ہماری رائے میں محض غلط ہیں۔

جس وقت کہ ہم اس اصول کو قبول کرلیں تو ظاہر ہے کہ اپنے دوست کا احسان لینا گویا قرض لینا ہے اور ضرور ہے کہ ایسے احسان کا بوجھ اس قدر ناگوار ہوتا ہے

[1] دل کو توڑنا نہ چاہیئے بجائے اس کے موتی کو توڑنا بہتر ہے۔

کہ برداشت نہیں ہو سکتی۔ قرض کو تو بوقت مقدور اُتار بھی سکتے ہیں مگر ایسے احسان سے تو جان چھڑانی مشکل ہوتی ہے۔ اس لئے بدلے اس کے کہ ضرورت کے وقت اپنے دوست کی سعی و کوشش کو کام میں لا دیں ایک خواہش اس کے برخلاف پیدا ہو جاتی ہے۔ فی الحقیقت دوستی مثل بازار میں سودا خریدنے کے ہو جاتی ہے۔ احسان لیا اور اُتار دیا جیسے سودا لیا اور دام ادا کئے۔ دوست کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُس کے احسان کو لیکر ہم اپنے اوپر اس کا اُتارنا واجب سمجھیں اور کیا یہ محبت کے برخلاف نہیں ہے کہ اُس کے احسان کو ہم اپنے اوپر بار یا قرض سمجھیں۔ ہاں یہ محبت کا مقتضی ہے کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے اپنے دوست کی بہبودی کے لئے کوشش کریں۔ مگر اُس سعی کو اس نیت سے کرنا کہ اس کا احسان ہمپر سے ٹل جاوے بد باطنی میں داخل ہے۔ احسان ہمپر سے کبھی ٹل نہیں سکتا کیونکہ احسان کنندہ کو احسان کرتے وقت کچھ معاوضہ ملنے کی توقع نہیں ہوتی وہ صرف ازراہ محبت ایک کام ہمارے فائدہ کا کرتا ہے۔ اِس سے ہم اُسکے ممنون ہوتے ہیں۔ ایسا احسان صرف اس سبب سے کہ اوّل کیا گیا ہے بعد کے ہزار احسانوں سے بھی نہیں اُترتا۔ بعض لوگ اس نیت سے احسان کسی پر کرتے ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ اُنکا ممنون رہے۔ ایسی حالت میں گو اُس شخص کو ہمیشہ احسان مند رہنا زیبا ہے مگر اس احسان کی خود قدر گھٹ جاتی ہے۔ ایسے ہی احسان کرنے والے بعد کو احسان جتایا کرتے ہیں اور واقع میں احسان کرکے بھول جانا سوائے محبت کے کسی قسم کی عوض کی اُمید نہ رکھنا

بہت عالی ہمت اور شریف لوگوں کا کام ہے۔

گو اوپر کے فقروں میں دوست کے احسان اُتارنے کی خواہش کو ہم بُرا کہہ آئے ہیں مگر ہم اُس بدباطنی کی بھی مذمت کرتے ہیں جو کہ خواہش مذکورہ بالا کی ضد ہے یعنی اس بات کی خواہش رکھنا کہ جس دوست پر ہم احسان کر چکے ہیں اُس کا احسان نہ لینا چاہیئے تاکہ ہمارا احسان اُس پر سے اُتر نہ جاوے۔ جس شخص میں ایسی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی سچا دوست نہیں ہوتا اور اُس کا احسان نہایت ناگوار گذرتا ہے۔ کیا اُس نے ہمکو بے بس یا بے مقدور سمجھ کر احسان کیا تھا؟ یا یہ کہ ہم کو فقیر و ذلیل اور اپنے تئیں امیر کبیر اور ہم سے مرتبہ میں اعلیٰ سمجھتا ہے کہ ہم جو اُس کی خدمت محبت سے کرنی چاہتے ہیں اس کے قبول کرنے میں اُس کو عار ہے۔ ہاں اگر دوست کو تکلیف دینے میں ہم کو تامل ہو تو یہ عین محبت ہے مگر اس غرض سے اُس سے کسی بات کی درخواست نہ کرنی یا اُس کی دولت کے نہایت قلیل حصّہ کو بھی اپنے لئے صرف نہ ہونے دینا کہ ہم پر اُس کا احسان نہ ہونے پاوے یا یہ کہ ہمارا احسان اُس پر سے نہ اُتر جاوے بدباطنی اور نفاق میں داخل ہے۔

ایک اور بات کا ہم مختصر ذکر کرتے ہیں۔ زندگی کے تجربہ سے اکثر معلوم ہوا ہے کہ جب کبھی دوستوں میں لین دین شروع ہوا دوستی میں غالباً خلل واقع ہوتا ہے اسلئے ہماری دانست میں دوست کو ہمیشہ قرض حسنہ دے کہ اگر بالفرض وہ ادا نہ کر سکے تو محبت شکنی نہ ہو یہ بہتر ہے کہ اگر دوست قرض مانگے تو صاف بیان کر دے کہ مقدار خاص سے زیادہ وہ دے نہیں سکتا اور اگر ایسے انکار سے کوئی دوست ناراض ہو تو اُس کا قصور ہے۔

ہم نے ایک بڑے شخص کے مُنہ سے یہ مقولہ سُنا ہے کہ "دوست را میازما" مگر اِس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ اُس کے احسان لینے سے یا وقت ضرورت مدد کی درخواست کرنے سے عار رکھ بلکہ یہ معنی ہیں کہ بلا ضرورت صرف اپنے دوست کی وفا آزمائی کے واسطے اُس سے کوئی درخواست نہ کرنی چاہئے کیونکہ آزمانا صرف شبہہ کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ دوست صادق نہیں جو اپنے دوست کی وفا پر شبہہ کرے۔ زمانہ خود ہر شخص کی خاصیت کو کھول دیتا ہے پھر ہم کیوں اپنے دوست کی نسبت بدگمانی کریں جب تک ممکن ہو اُسکو اپنا دوست سمجھیں اور اگر اخیر کو وہ بد باطن نکلے تو صرف خاموش اور علیحدہ ہو جاویں۔ مگر اوّل ہی آدمی کے پہچاننے میں ہم کو احتیاط چاہئے تاکہ آخر کو ندامت نہ ہو۔ مصرع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اُمّید

دُنیا باُمّید قائم ہے

موجودہ حالت گو کیسی ہی اچھی یا بُری ہو انسان کے دل کے مشغلہ کو کافی نہیں ہوتی۔ موجودہ رنج و خوشی محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں اس لئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے پُتلے کو اپنے ہاتھ سے اور اپنی ہی مانند بنایا اس میں چند اور قوتیں دی ہیں جن کے

سبب سے دل کے لئے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ اور ہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیّا اور موجود رہتا ہے۔ اُنھیں قوتوں کے ذریعہ سے گذری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آیندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے۔

وہ عجب قوت جس کو ہم یاد کہتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے۔ جب کوئی موجودہ چیز ہم کو شغل کے لئے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بُلا لاتی ہے اور اسی کے ذکر یا خیال سے ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے۔ اس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھاس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکتا ہے تو ایک کونے میں بیٹھ کر پھر اُسی کو پیٹ میں سے نکال کر چبائے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے شغل کے لئے بُلا لاتی ہے اُسی طرح ایک اور قوت ہے جو آیندہ ہونے والی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و بیم یا خوف و رجا ہے۔ انھیں دو قسم کے خیالوں سے ہم آیندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونے والی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے اندھیرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتے ہیں کہ ابھی ہو رہی ہیں۔ اِن کے ہونے سے پہلے اِن کی خوشی یا رنج اُٹھانے لگتے ہیں یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان اور ہر چہار طرف سے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کی آواز آتی ہوگی۔ ابھی خیال کر لیتے ہیں پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف

موجودہ وقت پر محدود ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ میں اس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں۔ ہماری خوشیاں اس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عمدہ اور اُن دل خوش کُن چیزوں کا ان کے ہونے سے پہلے مزے اُٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بدمزہ ہوتی۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ ہم کو تمام چیزوں کے حاصل ہونے کی اُمید رکھنی چاہئے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا ہم کو دے نہ سکے اور فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ تمنا را عیبے نیست۔ ایک ظریف نے کہا کہ دُنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا تم کو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے۔ اُس نے کہا کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مروں کیونکہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہ ہو اور مجھکو اُمید ہے کہ شاید وہ شخص میں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج دل سے مٹاتی ہے۔ اگر ہم کو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی ایک بیجان چیز کے مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی۔ اُمید اس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ اُمید ہی کے سبب سے انسان میں سنجیدگی اور بردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔ گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے ہمیشہ روح

کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے۔ محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ اُمید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے اور اُس میں محو نہیں ہو جاتے۔

سکندر نے جب اپنا تمام مال و اسباب اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لئے کیا رکھا؟ اُس نے کہا کہ اُمید۔ اس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔

اگلے زمانہ کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی بُرا سمجھتے تھے۔ نقل ہے کہ خدا نے انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا جب اُس کو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں۔ اُمید بھی اُسی صندوقچہ میں تھی وہ نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچہ میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھکر کوئی خوش زندگی نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ اُمید ایک عمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو اور ایسی چیز کی ہو جو اُمید کرنے والے کو حقیقت میں خوش کر سکتی ہو اس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوشحال آدمی کے لئے بھی زمانۂ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عمدہ عمدہ چیزوں کی بہت سی اُمیدیں ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہم کو پورا پورا خوش کر سکتی ہیں۔ دینی چیزوں کی اُمیدیں دنیوی چیزوں کی اُمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ ان میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی بھی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اِس قسم کی اُمیدوں کا خیال ہی ہم کو پورا پورا خوش رکھتا ہے۔ بلاشبہ اُمید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُس پر صبر تو ضرور آجاتا ہے۔ مگر مذہبی اُمیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں تکلیف کی حالت میں دل کو سنبھال لیتی ہیں بلکہ اُس کو اِس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس اُمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی اُمید گویا مُردہ کو زندہ کر دیتی ہے اور اس کے دل کو غایت درجہ کی خوشی بخشتی ہے۔ انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور روح اُس بڑی چیز کے لپک لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخرکار اُس اُمید کی خوشی میں اِس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اس سے ملجاوے گی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اِس مضمون کا گیت گایا تھا:۔

"میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں وہ میرے دائیں طرف ہے اِس لئے میں گھبراتا نہیں۔ میرا دل خوش ہے میرا گوشت بھی اسی اُمید میں رہے گا کہ تو میری

روح کو جہنم میں نہ ڈالے۔ تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھے گا۔ تو ہی مجھکو زندگی کے طریق دکھلائے گا۔ تیرے ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے تیرے ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے۔ آمین۔"

خوشی اور رنج اُفتاد میدان جنگ

اِدھر ترکان تہمتن لشکر شکن اور اُدھر روس کے جوانان جنگجو میدان نبرد میں بادلِ سرد و آہ پُر درد پڑے آنکھیں مانگتے تھے۔ دونوں فوجیں ضربت شمشیر آبدار سے سخت مجروح ہوئی تھیں۔ شام سے آدھی رات تک اس درجہ طاقت اور ہوش و حواس نہ تھے کہ ہل سکیں۔ کوئی بیہوش پڑا تھا۔ کوئی سسک رہا تھا۔ کوئی مرغ بسمل کی طرح تڑپتا تھا۔ مارے زخموں کے بدن رنگین اور دشت ستم لالہ زار تھا۔ ہر فرد بشر اجل سے دوچار تھا۔ جب عروس شب کی زلف تا بکمر پہنچی تو چاند نکلا اور لڑائی بند ہوئی۔

زخمیوں نے العطش العطش کی آواز بلند کی۔ جن لوگوں نے کم زخم کھائے تھے وہ مشکیزوں اور رابریقوں میں پانی لائے۔ ڈاکٹروں نے زخموں کی مرہم پٹی کی فکر کی۔ اس درجہ ہربونگ تھا کہ روسی اور رومی میں ذرا فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ روسیوں نے رومیوں کو پانی پلایا۔ ترکوں کے مشکیزے آب سرد سے

بھرے ہوئے روسی زخمیوں کے حصّے میں آئے۔ ترکی جرّاحوں نے مجروحین روس کا علاج کیا۔ روسی ڈاکٹروں نے ترکوں کا ہاتھ بٹایا۔ دو تین گھنٹے کے بعد روسی اپنے مورچے پر گئے رومی اپنے مورچے پر۔ زخمی ڈولیوں پر لد کے آئے۔

آزاد پاشا زخموں کے سبب سے سخت مصیبت میں تھے۔ آٹھ روز تک ان کی حالت ردی رہی یہاں تک کہ ایک دن ڈاکٹروں نے جواب دیدیا۔ مگر خدا مسبب الاسباب ہے پندرہ دن کے عرصہ میں آزاد پاشا کے زخم بھر گئے اور بیسویں روز پھر مورچے پر گئے۔ آزاد پاشا کی بسالت کا روز ایک نیا ثبوت ملتا تھا جس روز ان کے زخموں میں جرّاح کامل فن نے ٹانکے لگائے کسی کو اُمید نہ تھی کہ آزاد اس سختی کو برداشت کر سکیں گے۔ مگر واہ رے آزاد اُف تک نہ کی۔ جرّاح کا ہاتھ کانپنے لگا تو آزاد پاشا نے مسکرا کر کہا ایں! عمر بھر یہ پیشہ کرتے رہے اور زخموں کو دیکھ کر ڈرتے ہو۔ یہ تو تمھارے جوانمردی ہے۔ ہمیں دیکھئے کس جوانمردی کے ساتھ لڑے اور زخم کھائے تم سے ٹانکے نہیں لگائے جاتے جس وقت یہ کلمہ آزاد شیر دل کی زبان سے نکلا حاضرین نے نعرہ توصیف بلند کیا اور سپہ سالار عساکر سلطانی نے پیٹھ ٹھوک کر کہا شاباش ع[٥١] آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو ع[٥٢] ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

سپہ سالار نے حضور وزیر جنگ کو بھی اس اشجع افسر کی جرات سے اطلاع بخشی اور وزیر جنگ نے بہ طیب خاطر پروانۂ خوشنودی عطا فرمایا۔ جو آزاد پاشا کی تعریف و توصیف سے مملو تھا۔

اب سنئے کہ ایک روز روس کے یلانِ آزمودہ کار اور ٹرکی کی فوج جرّار صف باندھ کر مقابل میں کھڑی ہوئی۔ رومی جانب میمنہ روسی جانب میسرہ دونوں لشکروں کے جوانانِ کشور آشوب تلے ہوئے کہ شمشیر ہمدردی کے جوہر دکھائیں۔ اُدھر روس کی فوج سے ؎

دُہل کوب شد بر دُہلِ خشمناک ۔۔۔ برآورد فریادے از آب و خاک

روسی نوجوانانِ لشکر شکن فوجی باجا سُنتے ہی مست ہوگئے۔ اور اِدھر فوج روم سے بھی صدائے زنگ آنے لگی ؎

زغرّیدنِ کوس خالی دماغ ۔۔۔ ہمی لرزہ اُفتاد در کوہ و راغ

دائیں دائیں کی آواز سے کوہ و ہامون میں زلزلہ پڑ گیا دود ذاتواب اژدر وہاں سے کائنات الجو میں ابر سیہ چھا گیا۔ توپوں پر بتی پڑتی تھی فوج جان پر کھیل کر لڑتی تھی۔ دم کے دم میں ہزاروں گلرخانِ گلبدن کفن پوش ہوئے۔ بیشمار مردانِ کاری صنم اجل سے ہم آغوش ہوئے۔ مردرا کی صدائے ست سے آواز نکلتی تھی کہ ہاں غازیانِ سکندر شان بڑھے ہوئے۔ ہاں شیرانِ نیستان وغا قدم جمے رہیں۔ رکابِ ظفر انتساب سے حمیت گرم ہمعنانی ہے۔ فوج ظفر موج نمک پروردۂ حضرت سلطانی ہے۔ سروں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ دھویں سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا تھا۔ گولوں سے دم بھر مہلت نہیں ملتی تھی۔ گولا آیا وہ۔ وہ راکب گرا اور پشت مرکب خالی نظر آنے لگی۔ دوسرا گولا آیا پھٹا تو بیس ٹکڑے ایک ایک

ٹکڑوے نے دس دس کے ٹکڑے کئے۔ اس وقت صدہا خوشرو اور خوشخو جوانوں کی جان گئی۔ ایک نوخیز جونیئر افسر ایک معزز ترکی تاجر کا لڑکا تھا۔ والدین سے لڑ جھگڑ کر شریک نبرد ہوا تھا۔ تاجر بوڑھا آدمی پیر فرتوت ایک ہی لڑکا۔ حسن میں بے نظیر۔ فصیح و خوش تقریر۔ عین عنفوان شباب چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ شادی کو دو ہی مہینے ہوئے تھے کہ عروس اجل سے ہمکنار رہوا۔ دو میدانوں میں پالا جیت چکا تھا۔ مگر جنگ دوسر وار د۔ اب کی ایسی اُفتاد ہوئی کہ ایک گولے نے کام ہی تمام کر دیا۔ پشت توسن سے گرا تو اللہ اکبر اللہ اکبر کے سوا اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا اور اس بے کلی بیکسی کی حالت میں دم توڑا۔ آزاد کے قریب ایک سوار کا سمند وغا پسند تھا۔ یہ بیچارہ اندھی اور لُنجی بیوی کو ایک خادمہ کے سپرد کر کے صرف ترکی کے نام پر جان دینے کے لئے میدان میں آیا تھا۔ آفریں صد آفریں۔ گولے کا ایک ٹکڑا لگا تو دہم سے گرا۔ قضا نے مہیب شکل دکھائی تو سوار اجل رسیدہ کو اپنی لُنجی اور اندھی بیوی یاد آئی۔ سوچا کہ اب وہ بیچاری مصیبت کی ماری کیا کرے گی۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مرے گی۔ اس قابل بھی نہیں کہ بھیک مانگ کھائے۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مُرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک گولہ انداز پیرانہ سالی کے عالم میں سرکاری نوکری قبول کر کے اس غرض خاص سے آیا تھا کہ روس کی فوج میں تاک تاک کر گولے اُتارے۔ چُن چُن کے افسروں کو مارے۔ ساری خدائی میں

اس پیرمرد کا بجز ایک پانزدہ سالہ دُختر زہرہ جبین کے اور کوئی عزیز کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ جس وقت پیرمرد نے عزم جنگ کے لئے کمر ہمت چست باندھی۔ لڑکی نے دامن پکڑ لیا اور کہا ہم نہ جانے دیں گے۔ اُس وقت کی گفتگو سننے کے قابل تھی۔

پیرمرد نے کہا بیٹا میں پُرانا اور آزمودہ کار گولہ انداز ہوں۔ گو اب میں نے نوکری چھوڑ دی مگر حمیت کی رگ جوش زن ہے کہ ایسے وقت میں نصرت سلطان کے لشکر میں ضرور شریک ہونا چاہئے۔ مرنا برحق ہے۔ جو لوگ اپنے ملک کے لئے عمدہ کاموں میں جان دیتے ہیں جو فرمانروائے وقت کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں وہ ہر طرح حق نمک ادا کرتے ہیں۔ مرتے دم تک یہی حوصلہ ہوتا ہے۔ کہ اگر دس منٹ اور زندہ رہتے تو اور لڑتے ایسا خوش نصیب ہو تو اے کہ اس طرح پر جان دے۔

لڑکی بولی ابا جان۔ یہ سب سچ مگر میرا بھی کچھ خیال ہے۔ صاحب صاف کہتی ہوں کہ ایک تو جوانی کے دن ہیں دوسرے اتنے بڑے گھر میں اکیلی کیونکر رہوں گی رات کو موت کا سامنا ہوگا۔ دن کو گھر پھاڑ پھاڑ کھائے گا۔ دم بھر چین نہ آئے گا۔ ابا اس خیال سے درگزرو۔ مجھے کس کے سپرد کئے جاتے ہو۔ اس اتنے بڑے شہر میں تمھارے سوا اور میرا کون ہے۔ جب تم بھی چلے گئے تو میں کس کی ہو کے رہوں گی۔ اور پھر جنگ میں زندگی کا اور بھی کم اعتبار ہے۔ میرے ابا کمر کھول ڈالو۔ واسطے خدا کے کمر کھول ڈالو۔ کہاں جاتے ہو۔ نہیں نہیں۔ میں ہرگز ہرگز نہ جانے دوں گی۔ آخر پھر میرا کون ہے۔

پیرمرد کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ قریب تھا کہ کمر کھول ڈالے۔ مگر حمیت مانع ہوئی۔ کہا بیٹی تجھے ہم نے خدا کے سپرد کیا وہی تیرا محافظ اور دستگیر رہے گا مگر عصمت کا خیال رکھنا کسی کے کہنے سُننے میں نہ آجانا۔

اس فقرہ پر وہ عفیفہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ کہا ابا جان میں زیادہ اصرار نہیں کر سکتی۔ تم اپنے ملک کی طرف سے غازی جاتے ہو اور مقتضائے حمیت بھی یہی ہے مگر ہائے ابا جان اتنا تو سوچو کہ میں کیا کروں گی۔ اس اتنے بڑے غدار شہر میں ایک متنفس کو بھی نہیں جانتی ہوں کبھی برقع اوڑھ کر دہلیز کے باہر قدم نہیں رکھا۔ مہینوں تمھارے سوا اور کسی سے بات چیت کرنے تک کا اتفاق نہیں ہوا اور تم جاتے ہو تو مجھے کسی کے تو سپرد کر جاؤ۔ ورنہ میں کُڑھ کُڑھ کے مر جاؤں گی۔

پیرمرد نے ٹھان لی تھی کہ چاہے جو کچھ ہو جنگ پر جانے سے باز نہ آؤنگا۔ کہا بیٹی اب تمھارا خدا حافظ ہے۔ ہم اپنے ساتھ عاقبت کی منزل میں بس یہی ایک توشہ لے جاتے ہیں کہ میدان جنگ میں جاں بکف شریک ہوتے ہیں۔ آسمان کی طرف ہاتھ کر کے بہ صد گریہ وزاری کہا بارخدایا اس لڑکی کو شر آفات سے بچانا (لو بیٹیا اب ہم رخصت ہوتے ہیں) یہ کہکر پیرمرد نے باہر قدم رکھا۔ وہ مصیبت زدہ ستم رسیدہ ابا ابا کہتی ہوئی جھپٹی کہ کمر پکڑ لے اور جانے نہ دے مگر پیرمرد نے باہر سے دروازہ بند کر لیا اور دم کے دم میں غائب ہو گیا۔ اپنے بڑھے

باپ کو غائب اور مکان کو اکیلا اور محلے کو سونا پاکر وہ بیچاری ناکردہ کار عفیفہ سخت گھبرائی۔ تمام عالم اُس کی نظروں میں تیرہ و تار تھا کپڑے پھاڑ ڈالے سر پیٹا۔ کبھی کوٹھے پر گئی کبھی نیچے آئی۔

خیر یہ داستانِ غم تو ایک طرف رہی۔ اب سُنئے گو بُڈھا گولہ انداز اپنے فن میں یکتا اور عدیم السیم تھا۔ نہایت دانائی اور بخردی کے ساتھ گولے اُتار رہا تھا کہ دفعتاً پیک اجل لبیک کہتا ہوا سر پر آن کھڑا ہوا۔ ایک روسی گولہ انداز نے ایسا تیر بہدف نشانہ لگایا کہ پیرمرد کا دھڑ اُڑ کر پچاس قدم پر گرا اور ٹانگیں لنگر توپ کے پاس گریں۔ افسوس پیرمرد کے مرنے کا غم نہیں۔ مگر حسرت یہ ہے کہ اُس بیچاری پری پیکر پر کیا گذری ہوگی۔ پیرمرد نے تو وہ کار نمایاں کیا جو یادگار رہیگا مگر اُس بیچاری کی خدا جانے کیا نوبت ہوئی ہوگی۔

ایک مشین اور روئیں تن جوان اپنے بوڑھے باپ سے جدا ہو کر شریک نبرد ہوا تھا۔ بوڑھے نے لاکھ لاکھ سمجھایا۔ نشیب و فراز دکھایا کہ بیٹا اس عالم پیری میں مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے مگر اس جوان نے ایک نہ سُنی۔ کہا ابّا اب تو ہم کو جانے دو۔ زندگی ہے تو پھر ملیں گے ورنہ رخصت۔ بوڑھے نے اپنے لڑکے کو بڑے نازونعم سے پالا تھا۔ ایک دم بھر کی جدائی بھی ازبس شاق گذرتی تھی مگر اس جوان نے اخباروں میں روس کی یورش کا حال جو پڑھا تو آگ ہو گیا قسم کھالی کہ جاؤنگا اور اس جرات سے لڑونگا کہ زندہ واپس نہ آوں گا۔ عین

اُس وقت جب کہ معرکہ دار و گیر گرم تھا اس کے فرس تند خو پر گولہ پڑا۔ گھوڑا گرا اور ساتھ ہی یہ بھی گرے۔ گرتے ہی دو گھوڑوں کی ٹاپیں ایسی پڑیں کہ بھیجا نکل پڑا۔ ہائے افسوس! واے افسوس!

روسیوں کی طرف بھی صدہا آدمیوں کا سر خاک و خون میں غلطاں ہجا سو لڑکے یتیم ہو گئے۔ سیکڑوں پری تمثال عورتوں کو سہاگ کے عوض سوگ نصیب ہوا۔ والدین کی زندگی تلخ ہو گئی۔ ہزارہا آدمیوں کی تمناؤں کا خون ہوا۔ آخر کار ترکوں نے بسر کردگی سپہ سالار جنگ ازما روس کی فوج کو دو جانب سے گھیر لیا۔ تیسری سمت ایک دریاے قہار موجزن تھا اور چوتھی طرف ایک لق و دق جنگل جب دو طرف سے باڑھ پڑنے لگی تو روسی فوج کی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھوڑی دیر تک یلانِ نامور نے خوب مقابلہ کیا۔ مگر جب دیکھا کہ ترکی یورش کرتی آتی ہے اور روسی سپاہ مجبور ہو کر پیچھے ہٹتی جاتی ہے تو مقابلہ کو خلاف مصلحت سمجھ کر یہ صلاح قرار پائی کہ جنگل کے رُخ بھاگیں چند سواروں کو ترکان خونخوار کے مقابلہ کے لئے چھوڑ کر فوج روسیہ نے جنگل کی راہ لی۔ اب سُنئے کہ ترکوں نے جنگل میں دو پلٹنیں پہلے ہی سے بھیجدی تھیں۔ تھوڑی دور تک فوج روس گئی تھی کہ ترکوں نے جو کمین گاہ اور جھاڑیوں کی آڑ میں چھپے تھے باڑھ ماری۔ روسی گھبرا اُٹھے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اب سوچے کہ غنیم اچھی چال چلا۔ نہایت سراسیمگی اور بدحواسی کے ساتھ پلٹے تو یہاں

اِن کے معدودے چند سواروں کا قلع وقمع ہوگیا تھا اور فوج ترکی اُن کے تعاقب کے لیے جنگل کی طرف جاتی تھی۔ اُدھر وہ دونوں پلٹنیں بھی کمین گاہ سے سیل عظیم کی طرح اُمنڈیں روسیوں کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے بتیس دانتوں میں زبان۔ کوچہ ہائے گریز بند ہو گئے۔ ترکوں نے بھون ڈالا۔ آخر کار روس کی فوج نے پناہ مانگی اور قریب ڈھائی سو سواروں اور پیادوں کے گرفتار ہو گئے۔ جن میں بائیس افسر تھے۔

اِس جنگ عظیم میں بھی آزاد پاشا نے بڑے بڑے کار نمایاں کئے جنگل میں بھی انھیں کی تجویز کے مطابق دو پلٹنیں بھیجی گئی تھیں کئی افسروں کی رائے اِس کے خلاف تھی مگر آزاد نے دلائل قاطع و براہین ساطع سے اِن سب کو معقول کر دیا۔ جس وقت روسی چند سواروں کو مقابلۂ فوج ترک کے لیے چھوڑ کر جنگل کی سمت گئے تھے آزاد ہی کی صلاح سے تین سو سوار جانب دریائے نفار بھیجے گئے تھے تاکہ اگر جنگل کے شمال کی طرف فوج غنیم بھاگے تو یہ تین سو سوار اُس کا مقابلہ کریں اور تین طرف سے غنیم کو گھیر لیں۔ روسیوں نے جب دیکھا کہ دو طرف ترکوں کی فوج محاصرہ کئے ہوئے اور جنگل بھی خالی نہیں ہے۔ تو شمال سمت سے حسب پیشین گوئی آزاد پاشا بھاگنا چاہا۔ وہاں سوارانِ ترک کے پرے دیکھ کر رہے سہے حواس اور بھی غائب ہو گئے۔ الغرض اِس جنگ میں خاص آزاد پاشا کی صلاح اور دور اندیشی سے ترکوں نے غنیم کو شکست

فاش دی۔ سپہ سالار نے وزیر جنگ کو فوراً اس فتح کی خبر دی اور لکھا کہ اس محاصرہ و مجادلہ میں آزاد پاشا کی دور اندیشی سے ہم کو بڑا فائدہ پہنچا۔ جب جنگ سے نجات ملی اور ترکوں نے کمر کھولی تو نقارۂ فتح و فیروزی بلند ہوا۔

تین دن تک اس لشکر نصرت اثر نے دم لیا۔ غنیم نے ایسی شکست پاکر پھر مقابلہ نہ کیا۔ چوتھے روز آزاد پاشا کے نام حضور وزیر جنگ کا ایک اور پروانۂ خوشنودی پہنچا جس کی رو سے وہ سینیر کیولری افسر مقرر ہوئے۔

صحت و درازی عمر

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جتنا کسی کا رتبہ اعلیٰ ہو گا اتنی ہی اس کے جسم و جان کی پرورش اور حفاظت کی جائے گی اور بقائے صحت و عمر ممکن ہو گا اور اسی قدر ٹھیک ٹھیک حساب ان کی عمر کا معلوم ہوتا رہے گا۔ اس لئے درازی عمر کے لئے ایسی حالت سب طرح سے بہتر ہے۔ لیکن ان مورخوں سے جنھوں نے صحت و عمر کی ترقی پر بہت کچھ لکھا ہے یہ نہیں کھلتا ہے اور نہ اپنی عقل گواہی دیتی ہے کہ ناز پروردگی کا کیا حق ہے کہ جس وجہ سے اس کو کسی ایسے اعزاز کی خصوصیت ہو۔

اس میں شک نہیں کہ ہوازدگی اور سردی غریب اور نادار آدمی کے واسطے باعث زوال اور مخرب جوانی ہیں لیکن اس میں بھی کلام نہیں اور واقعات سے ثابت ہوا ہے کہ گو سردی اور رنج و مصیبت عام تندرستی کے ادھیڑ عمر تک مخالف ہیں مگر جو شخص یہ عمر گذار چکتے ہیں وہ بہت عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔ اکثر عالموں نے آدمیوں کی درازی عمر اُن کے اعتدال کی حالت سے منسوب کی ہے اس لئے یہ مقولہ تاجداروں اور مقربین سلاطین کو احاطہ طولانی عمر سے باہر کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ افکار سلطنت و نظم و نسق ملک اور انتظام کارہائے اہم و سامان جنگ مہیا کرنے میں قوت دماغ کا صرف بوجہ پیچیدگی معاملات کے ہوا جاتا ہے کیونکہ ہر کل کو جس کی ساخت بہت نازک ہے۔ کثرت استعمال بہت جلد بیکار کر دیتی ہے اس لئے اور قسم کے لوگوں میں علاوہ سب اعلےٰ عہدہ داروں کے یا بڑے رُتبہ والوں کے طولانی عمر کی مثالیں ڈھونڈنی چاہئیں۔

ایسٹن صاحب جو اس قسم کی تحقیقات کے لئے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ امیر دولتمند (ادویات جن کی خوراک ہے وہ نہیں) اور وہ لوگ جو لگاتار ورزش کرتے ہیں یا تازہ ہوا کھاتے ہیں اور جن کی غذا سادی اور معتدل رہتی ہے ضرور اچھا بوڑھاپا دیکھتے ہیں۔ مثلاً زمیندار۔ کسان۔ باغبان۔ ماہی گیر۔ مزدور۔ سپاہی وغیرہ اور اس طرح سے جنھوں نے کبھی کسی بات کا جس سے عمر دراز ہو شاید کبھی خیال بھی نہ کیا ہو۔ عموماً پُوری عمر کرتے ہیں۔

آدمی کی عمر محققوں نے سو برس کی قائم کی ہے خواہ اس سے پانچ سال کم کیا بیش ہو جائے۔ اکثر بوڑھوں کے دھیان میں گزرے ہوؤں میں سے بہت ایسے ہوں گے جنھوں نے اسی خواہ نوّے برس کی عمریں پائیں اور چند ایسے بھی ہونگے کہ وہ سّو برس نانگ گئے ہوں اور عمر طبعی کے واسطے ایسی مدت ہونی کچھ بعید نہیں ہے جیسا کہ بفن اور ہالر صاحب کی تحقیقات سے واضح ہے۔ ہالر صاحب کی رائے ہے کہ آدمی جو عارضی وجوہات سے نہیں مرتا وہ بہت کرکے ہر جگہ نوّے یا سّو برس کا ہو جاتا ہے۔ علم حیوانات اور نباتات کے محقق اس امر پر متفق الرائے ہیں کہ وہ تناسب جو ہر ایک جانور کی مدت حیات اور مدت نمو اور بالیدگی میں قائم ہے اُسپر بفن صاحب کا حساب مبنی ہے۔ مثلاً کتا جس کے باڑھ کی میعاد دو سال ہے پانچ یا چھ گونی مدت تک یعنی دس بارہ برس جی سکتا ہے گھوڑا جس کی مدت نمو چار سال ہیں۔ چھ یا سات گونی مدت یعنی چوبیس۔ چھبیس برس کی عمر عموماً پائیگا۔ ایسے ہی اصول پر بفن صاحب کی یہ دلیل ہے کہ آدمی جو عموماً چودہ ۱۴ سال تک بڑھتا ہے وہ چھ یا سات گونہ اس کا عرصہ کھینچ سکتا ہے یعنی نوّے یا سّو برس تک زندہ رہ سکتا ہے۔

ینولس پارا یر صاحب ایک فرانسیسی طبیب زندگانی کی قوت تحصیل اور زندگی کے عمل و تصرف میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی دو ذخیرے آدمی کی طاقت جسمانی کے ہیں۔ اُن کے نزدیک جب آدمی میں تنزل شروع ہوتا ہے تو ذخیرہ قوت تحصیل میں بہت کمی واقع ہوتی ہے جو جوانی میں کثرت سے تھا اور اس لئے

اس کو اس عالم پیری میں مستعمل قوا پر بھروسا کرنا پڑتا ہے اس وجہ سے اُن کی رائے میں وہی آدمی تندرست ہوگا جو ہوشیاری سے مقررہ عادات کا پابند ہوگا اور جو بخوبی ہر مرض کے آغاز کے روکنے کی فکر کریگا اس پچھلے قاعدے کا منشا یہ ہے کہ وہ باتیں اور افعال جو قوائے مستعمل کے بالکل صرف کر دینے کے باعث ہیں قطعاً ترک کر دی جائیں تاکہ قوتیں جو استعمال میں ہیں اور عالم پیری میں کام آتی ہیں محفوظ اور بچی رہیں۔ اس قاعدہ کی اگر سوچ سمجھ کر یا اتفاقیہ بھی پیروی ہو تو قرین قیاس ہے کہ تندرست ہڈی کے لوگ سنو برس کے کنارے تک پہنچ جاوینگے اور آدمی کی عمر کی حد سنو برس ایک عام حد ہے (جیسا کہ بعض صاحب فرماتے ہیں) کوئی خاص نہیں۔ اب واقعات یا ان حالات پر جو بشکل واقعات پیش ہوتے ہیں نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ ان سے کچھ نتیجے نکالے جائیں اور بعد ازاں اس موقع پر کچھ تدبیریں زندگی کے طول دینے کی بھی لکھی جائیں۔

اکثر مرد اور عورتوں کی نسبت سُنا گیا ہے اور بعض نظیریں بھی تحقیق ہیں کہ فلاں شخص جب جوان تھا ایک عورت کو جانتا تھا جو خود ایک اور صاحبہ کو جانتی تھی جو فلاں بادشاہ کے محل کے ساتھ عالم طفولیت میں رہتی تھی کہ بڑھاپے میں اس عورت کے نئے دانت آئے اور ایک سنو چالیس برس کے سن میں وہی عورت دو تین کوس اور بازار چل پھر آتی تھی اور یکایک صرف صدمۂ شدید سے مرگئی۔ ایک زیارت کرنے والے کا ذکر ہے کہ اس نے ایک بوڑھے آدمی کو روتے دیکھا پوچھا

کیا سبب ہے تو کہنے لگا کہ اُس شخص کے باپ نے اس کو مارا ہے بعض شخصوں نے باپ کو اس سخت برتاؤ پر لعنت ملامت کی تو دریافت ہوا کہ سزا واجبی تھی کیونکہ یہ لڑکا جس کو در اصل بوڑھا کہنا چاہیئے اپنے دادا کو جو ناشپاتی کے درخت پر تھا ڈھیلے مار رہا تھا۔

بوڑھے پار صاحب کی نسبت روایت اور بھی عجیب وغریب ہے ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوئے اسّی برس کے ہو کر پہلی شادی کی اور اس عورت کے ساتھ تبتیس ۳۲ برس رہے آٹھ سال کے بعد دوسرا بیاہ کیا اور اس شادی کے بعد تبتیس ۲۲ برس اور زندہ رہے اور موت نے یوں آگھیرا کہ اُنھوں نے طریق بود و باش یکایک تبدیل کیا تھا یعنی دیہات اور کسانی چھوڑ کر ارل آف انڈل کے مصاحبت میں لندن کے گرم بازار میں جا کر بسے اور غذا کے تبادلہ اور شہر کی طرز معاشرت نے جان لے ڈالی حکیم ہاروی صاحب نے جب نعش کا امتحان کیا فرمایا کہ اگر غذا ناموافق نہ پڑتی تو وہ ابھی اور زیادہ جیتے اور ہزاروں حالتیں بیان ہوتی ہیں لیکن اکثر غیر ممکن الوقوع سمجھی جاتی ہیں مگر ہزاروں میں سے اگر چار پانسو انتخاب کی جائیں تو یقین ہے کہ تقریباً صحیح ہوں اور اِس میں شک نہیں کہ ان میں سے بہت کرکے چھوٹی اُمت کی ہونگی کیونکہ بود و باش اِن کی کھلی تازہ ہوا میں ہے اور سیدھی سادی غذا اور مقررہ کام ان کو صحت بخش اور قوت دہ ہوتا ہے۔

کم اوقات اور عالی رُتبہ دونوں فرقوں کی بھی بابت تحقیق معلوم ہوا ہے کہ عورات

مقابلہ عمر میں بہ نسبت مردوں کے اکثر دیر القیام ہوتی ہیں اور یہی صرف نہیں بلکہ مستورات میں سے بیاہی ہوئی بمقابلہ ان کے جنھوں نے نکاح نہیں کیا ہوتا ہے زیادہ عمر کو پہنچتی ہیں۔ لیکن سب سے زاید درازی عمر مردوں ہی کے واسطے ہے ملائمت عورتوں کے جسم کو کچھ مدت کے واسطے زیادہ استحکام بخشتی ہے لیکن چونکہ قوت جسمانی بہت زیادہ طولانی عمر کے لئے اصل چیز ہے عورتیں بمقابلہ مردوں کے بوڑھی ہونے پر بہت کم حد درجہ کی طویل عمر حاصل کرتی ہیں۔

اب ایک نظر مالکان دنیا یعنی خلق اللہ پر بھی ڈالنی ہے جن کی عمر اکتفا نہیں کرتی کیا ان کی عمر چند حالتوں میں طولانی نہیں ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ فرقہ پادری کو دیکھو جن کی عمر کے زائد ہونے کی کیفیت برابر معلوم ہوتی رہتی ہے اور جس میں کسی کو کلام نہیں ہے ان لوگوں کا طریقہ معاشرت۔ روزمرہ اپنے پیرش والوں کو دیکھنا ان کی طویل عمر کی وجہ ہیں اور عقل بھی کہتی ہے کہ چونکہ ان کی عادات حرکات و سکنات اکثر باہر گھومنے سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ کسی قدر سرگرمی اور خوشی سے بھرے ہوتے ہیں اس لئے ضرور ہے کہ اکثر ان میں سے بڑی عمر کریں اس پیشہ والے پنڈت و مولوی بھی بڑی بڑی عمریں پاتے ہیں۔

لارڈ کلیرنڈن صاحب تذکرہ ذات خاص میں فرماتے ہیں کہ وکلا اکثر بڑی عمر تک زندہ رہتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر دورہ کرتے رہتے ہیں جو ایک قسم کی ورزش ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اعتدال مزاج اور پرہیزگاری جا سکا

باعث ہے ضرور رکھتے ہیں اس فرقہ میں جو لوگ اپنے زمانہ میں شہرۂ آفاق ہوئے اکثر بڑی عمر تک پہنچے مثلاً لارڈ ہیمرسٹ لارڈ بروہم لارڈ مینسفیلڈ وغیرہ نے پچاسی [۸۵] سے نونے [۹۰] برس تک آرام سے بسر کی اور دماغی کام کرتے رہے۔ اطبا میں سے اس صفت کے آدمی کم ہوئے اور گو کہ جالینوس کی عمر لوگ کہتے ہیں کہ ایک سو چالیس [۱۴۰] کی ہوئی اور بقراط کی ایک سو چار [۱۰۴] لیکن شاید طبیب اور بید سوچتے ہیں کہ نتیجہ اس دردسر کے لائق نہیں ہوتا اس لئے طولانی عمر کی فکر نہیں کرتے۔

علما اکثر بڑی عمر کے کم دیکھنے میں آتے ہیں اور جو حالتیں ایسی ہیں تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہی زائد جئے جنھوں نے کسی علم کا شوق تفریح طبع کے طور پر کیا لیکن جن عالموں نے علوم کو ترقی دی اور تحقیقات ہر شاخ میں اور محنت سچے دل سے فرمائی ان میں سے ہم کو امید نہیں ہے کہ چند بھی ایسے ملیں جنھوں نے سو برس کی بھی عمر پائی ہو۔ ہابس جو ایک بڑا محقق تھا صرف بانوے [۹۲] سال تک کھینچ لے گیا اور اصل تو یہ ہے کہ محرور المزاجی اکثر ذہن و ذکاوت کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ ناکامی (اگر اور کچھ نہیں) زندگی کی قاطع ہے کیونکہ یہ آدمی کو لاپروا کر دیتی ہے۔ اس لئے صرف دماغ درحقیقت عمر بڑھاتا نہیں بلکہ گھٹاتا ہے بقول صاحب

لاغری [۱] تن لازم روشندلان افتادہ است ٭ روغن از مغز است دائم شعلۂ ادراک را

بہت کم انجینیر اور نقاش اور مصوروں نے طویل عمر کی۔ گو کہ جیمس واٹ بیاسی [۸۲] میکیل انجلو مصور نقاش اور معمار نونے [۹۰] برس اور مصور ٹیشین ننانوے [۹۹] سال

[۱] دبلاپن روشندل کے ساتھ ہمیشہ لگا رہتا ہے عقل کا چراغ مغز کے تیل سے جلا کرتا ہے

تک زندہ رہے مگر یہ لوگ مستثنیٰ گنے جاتے ہیں۔

اعلےٰ ترر تبہ والوں میں سے مثلاً شاہان وقت میں نظیریں ڈھونڈ نکالنا اور بھی مشکل ہے بادشاہ اور شاہزادوں کا زائد نہ جینا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ نازپروردگی درازی عمر کی دشمن ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اُن شاہزادوں کی بھی دشمن ہے جن کو حکمرانی کی فکر و خلش نہیں ہوتی لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر حاکم یا شاہزادے کی نزاکت جسمانی پر صرف قوائے ضمیہ اور ہر وقت کا خیال ذمہ داری مزید ہوا تو کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ باوجود اس دماغی فکر اور بار دل کے (جو شاید اُس کو بھی جس کی بڑی کڑی ہڈی ہو اور جس کا سر پُر مغز ہو زائل کردیں) نازک طبع زیادہ عمر کھینچ سکیں گے۔

اگر اور سب حالتیں یکساں ہوں تسپر بھی کُھلا ہوا اور مقامات کا اثر بہت اچھا ہوتا ہے یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اگر شہر میں دوسو مرتے ہیں تو قصبات میں ایکسو ننانوے (۱۹۹) مریں اور دیہات میں چارسو ننانوے (۴۹۹) اگر قصبات میں پانسو مرتے ہیں۔ گرم ملک بہ نسبت سرد ملک کے کچھ جان بچانے والے نہیں ہوتے ہیں آب و ہوائے چین اور گنی (افریقہ) ہر جسم کو جلد پختگی دیتی ہے اور اس لئے درازی عمر کے لحاظ سے بہ نسبت آئسلینڈ اور گرینلینڈ کچھ بہتر نہیں ہے۔ ملک ناروے اپنے بڑے اوسط بوڑھے آدمیوں کے اوپر ہمیشہ نازاں رہا ہے۔ ویلس اور انگلستان کے سرد حصوں اور اسکاٹلینڈ کے پہاڑی حصوں سے بھی یہی بات بذریعہ رجسٹروں کے ظاہر ہے۔

پھر کیا درازی عمر ورزش کا نتیجہ ہے۔ یہ کون کہے۔ عموماً نظیریں ایسی ہیں کہ جن میں ہواخوری اور روزش افزائش عمر کی عارضی باعث ہوتی ہیں لیکن تجربہ اور دفتر کے کاغذوں سے ثابت ہے کہ جن کو اس طرف سے نفرت رہی وہ کبھی بڑی بڑی عمروں کو پہنچے۔ اکثروں نے گھر سے صرف دو سو قدم کچہری تک چلنے اور واپس آنے میں سو برس سے زائد کاٹ دئے۔ صفائی بدن اور غسل روزمرہ گو عوارض جلدی ضرور دور کرتے ہیں لیکن باعث درازی عمر نہیں۔ اس پر کُل قوم انگلینڈ کی گواہ ہے یہ لوگ بڑے کثیف ہوتے ہیں اور خاصکر عوارض جلدی میں بہت مبتلا رہتے ہیں۔ تاہم بر اعظم یورپ کے اقوام سے اوسط درازی عمر میں کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

پھر کون سبب ہے کہ جس سے پیمانۂ عمر دیر میں بھرے سب سے زیادہ شاید جسمانی اور روحانی میلان طرف درازی عمر کے ہے جس کی علامات مختصراً یہ ہیں کہ سرشت کثیر الدم اور کسی قدر بلغمی ہو اور قوائے خلقی میں قابلیت اصلاح وعلاج کی موجود ہو۔ البتہ ایسا بیش میلان اپنے پورا ہونے کے لئے چند حالات پر منحصر ہے مثلاً زندگی قرار و سکون طبع کے ساتھ۔ زود رنجی کا نہ ہونا اور اس کی وجہ کا معدوم ہونا۔ اطمینان خاطر جس سے نیند بے فکری سے آتی ہے جب کہ روز روز کا حساب خدا اور خلق سے ہوجاتا ہے اور خوش طبعی جو صحبت خوش دلوں کا نتیجہ ہے۔ چونکہ یہ باتیں ایک شخص میں کم جمع ہوسکتی ہیں اس لئے سن کبیر کی بھی نظیریں بہت کم ملتی ہیں۔ قوت اصلاح کیا خوب جان اور توانائی بہ تاثیر پیدا کرتی ہے۔ خوش مزاجی کی

نسبت کیا کیا نہ کہیں کتنی ایک فکریں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ نوجوان دوستوں کا پرساں رہنا اور جوانی اور جوانوں کی باتوں میں خوش ہونا کیسا کچھ طلسم ہے جس کے مقابل پیری کے حملے بے اثر رہتے ہیں۔ پرانے رفیقوں کا نہ ہونا چھپ جاتا ہے اور زندہ دل چہرے بیٹوں اور پوتوں کے پیش کر کے کیسا غم غلط کرتا ہے۔ سب عقلا کی صلاح یہ ہی رہی ہے کہ جوانی میں بوڑھوں کی صحبت سے کوئی اور نعمت عظمیٰ نہیں اور بوڑھاپے میں سوائے نوجوانوں کی صحبت کے اور کوئی بہتر لذت اور خوشی نہیں۔ نوجوانوں کے ساتھ مجالست باعث بقائے کیفیت جوانی ہے اور عالم پیری میں افکار و اندیشہ کے ساتھ موانست یا اُن کے ساتھ جو خود انھیں میں مبتلا ہیں باعث رنج و زوال ہوتی ہے۔

عمر بڑھانے کے واقعات اور ممکنات پر جب ہم نظر ڈال چکے تو ایک بات بحث طلب باقی رہ گئی۔ وہ یہ ہے کہ کیوں یہ سب فکر و درد سر چند سال بڑھ جانے کے لئے کیا جائے جس سے سوائے کلفت و غم کچھ حاصل نہیں ہے جیسا کہ ہر شخص کے تجربہ میں آیا ہوگا۔ ہزاروں ایسے ہیں کہ زندگی سے عاری ہیں۔ ایک دن کیا ایک گھنٹہ ایک منٹ جینا اُن کو وبال ہے۔ ذکر ہے کہ ایک بڑھیا بدگمان تھی اور اس کا قول تھا کہ خدا نے مجھکو اس دار فانی میں اتنے دن رہنے دیا لیکن ایسا نہ ہو کہ مجھکو وہ بھول گیا ہو۔ کتنے کم آدمی چاہتے ہیں کہ دوبارہ پھر سفر زندگانی شروع کریں اور سچ ہے کہ جو عشرت و نشاط جوانی میں حاصل

نہ ہوئی وہ باقی ماندہ زندگانی یعنی پیری میں کیا حاصل ہوگی۔ عمر کے رجسٹروں سے
دریافت ہوا ہے کہ اسّی برس میں آدمیوں کا جسم ہی نہیں بالکل زائل ہو جاتا
ہے بلکہ عقل بھی ضعیف ہو جاتی ہے اور دانت تو ہمیشہ گر ہی جاتے ہیں۔ اِن سے
بڑھکر اور کیا عمر کا جواب دینا ہو سکتا ہے۔ ہمعصر دوستوں کا گزر جانا اپنے سامنے
سے اور نئے شغل و محنت و کار کے لئے دل نہ رکھنا اور آپ کو تنہا بے مونس و غمخوار
سمجھنا۔ یہ دو تین باتیں ایسی ہیں کہ درازی عمر کی خواہش سے باز رکھتی ہیں۔ حق
تو یہ ہے کہ درازی عمر لائق رشک نہیں ہے گو کہ زندگی کی ہر خواہش ایک طرح
سے پوری ہو سکتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ باپ اپنے بیٹے میں زندہ رہتا ہے اگر بیٹا
اپنے باپ کا پیرو ہوا اور باپ کی نظر راست و نیک ہوئی تو یہ بذریعہ پسر اصل
میں زندہ ہے۔ جب تک خود با ہوش و حواس زندہ ہے فبہا اور جب انھوں نے
معاودت کی تو کوئی اپنا سا چھوڑ گیا جو نام نیک اور عزت کا مورث اور
خاندان کے شرف و بزرگی کا باعث ہوا۔ ایسا نام کا چلانا خاندان والوں کیلئے
ہی نہیں بلکہ تنہا اور تمبر و آدمیوں کے واسطے بھی ممکن ہے۔ کوئی آدمی با خود
نہیں جیتا۔ لوگ متواتر شمع زندگی اوروں کو دیتے ہیں اور ہر شخص اپنی اچھی
طرح سے عمر گذار کر دوسروں کا ہادی ہو سکتا ہے اور اس طرح سے سلسلہ
حسنات قائم رہتا ہے۔

ریا اور نفس کی جانچ

دُنیا میں ایسے لوگ بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دُنیادار اور رند مشرب آدمی جس قدر کہ دراصل وہ بد ہیں اُس سے زیادہ اپنے کو بد بتاتے ہیں۔ دین داری کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں۔ وہ تو دین داری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماشہ بینی اور چھچھورپنے کی باتوں کی جن کو دراصل اُنھوں نے کیا بھی نہیں گپیں اُڑاتے ہیں۔ اور یہ حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دین داری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں بُرے نہیں ہیں مگر ایک اور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علٰحدہ ہیں اور اُنھیں کا کچھ ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اِن کی بناوٹ ایک اور ہی قسم کی ہے وہ اپنی بناوٹ سے دنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ میں پڑتے ہیں۔ وہ بناوٹ خود اِن سے انھیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے جسقدر کہ وہ درحقیقت نیک ہیں اس سے زیادہ اُن کو نیک جتاتی ہے۔ پھر وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے یا اُن بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤد نے

نہایت دلچسپ لفظوں میں اُس بُرائی سے پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خُدا کی مناجات کی ہے "کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھکو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر" جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر ان کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کتنے نصیحت کے محتاج ہیں پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں (اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا) معلوم ہو سکیں۔

عام قاعدہ تو اس کے لئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اُن مذہبی اصولوں سے جو ہماری ہدایت کے لئے مقدس کتابوں میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو ان پاک شخصوں کی زندگی سے مقابلہ کریں جو اس درجۂ کمال تک پہنچے جہانتک کہ انسان کا پہونچنا ممکن ہے۔ اور جن کی زندگی ہماری زندگی کے لئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنے والوں کے لئے بلکہ عام دنیا کے لئے بڑے ہادی اور بہت بڑے دانا اُستاد ہیں ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بِن ہوئے

رہ نہیں سکتا اور کچھ زمانہ کے گذرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت اُن واقعات کی جو گذری معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے برخلاف اگلے مصنفوں کے صرف انھیں قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں۔

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہم کو کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں یا تو ہمارے عیب انکو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اس کو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اِن کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم اِن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دشمن ہم کو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے سے ڈھونڈھ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے چھوٹی بات کو بہت بڑا کر دیتا ہے۔ مگر اکثر اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہوتی ہے۔

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لئے ہم کو اپنے دشمن کا زیادہ احسانمند ہونا چاہئے کہ وہ ہم کو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہم کو وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق اُستاد سے ملنا چاہئے تھا۔

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا رہے۔ ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں۔ سچ ہے کہ لہ "دشمن از دوست ناصح تراست۔ ایں جز نیکی نہ گوید و آں جز بدی نجوید"

لہ دشمن دوست سے زیادہ نصیحت کرتا ہے پر وہ نیکی یا کچھ نہیں کرتا ہے اور وہ سوا سا بدی کے کچھ نہیں ڈھونڈتا ہے۔

پلوتارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ دشمن جو ہم کو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہم کو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہماری چال وچلن میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہم کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا چاہئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہم کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنے والے ہماری تعریف کرتے ہیں درحقیقت ہم میں کہاں تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا یہ حال ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کے رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کرکے اپنے تئیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی ان کو پسند کرتے ہیں جو کچھ

ہمارا دل کہتا ہے اس کے مقابلہ میں اِن تمام رایوں کو نہیں مانتے۔

ہم کو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر درحقیقت اس کی نیکی مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہیئے بلکہ ان لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جس طرح ہم نیک دلی سے بات کہتے ہیں اسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اُن اختلاف کرنے والوں نے صرف آزادی رائے اور اُس دلی نیکی سے جس کے سرچشمہ کی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ۔ اور پابندی رسم و رواج اور تعصب و تقلید نے اُن کے دل کو پھیرا ہے کیونکہ اگر یہ پچھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بے قدر ہو جاتی ہے۔

جہاں ہم کو دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں ہم کو نہایت ہوشیاری اور بہت خبرداری سے کام کرنا چاہیئے۔ حد سے زیادہ گرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے کے لوگوں کو بُرا اور حقیر سمجھنا یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ فی نفسہ نہایت بُری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اس پر بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دین داری اور نیکی کے لئے نہایت مشہور ہیں مگر انھوں نے

لغو اور نرے شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھکر اپنے دل میں اس کی جڑ گاڑ دی ہے۔
میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو۔

اسی طرح ہم کو اُن کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں ہمارا دنیوی فائدہ ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف سے پھر جاتی ہے اور اُس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب سے تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ برائیاں اور لا معلوم عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں۔ جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی ترغیب ہو اس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہوگی۔

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک جذبوں کو ڈھونڈھنا ہمارے لئے اس سے بڑھکر کوئی چیز مفید نہیں ہے اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھانی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا۔ ہمارے دل کو جانچیگا

جس کی عقل اور انصاف کی کچھ انتہا نہیں تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ہمارے لئے کوئی راہ نہیں۔ عقلمندوں نے جب ہم کو یہ سکھلایا ہے کہ خدا ہر جگہہ حاضر وناظر ہے۔ ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُنھوں نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اس ریاکاری کی بُرائی ہمکو بتلادی جس سے انسان دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور خود اپنے آپ کو بھی فریب میں ڈالتا ہے۔ داؤد نے بھی اپنی مناجات میں اس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے جہاں اس نے کہا ہے کہ "اے خدا! مجھکو جانچ میرے دل کی تہ کو ڈھونڈ۔ میرے خیالوں کو دیکھ۔ مجھکو ٹٹول۔ مجھکو بخوبی پرکھ کہ مجھ میں کس بُرائی نے راہ کی ہے اور مجھکو ایسی راہ پر لے چل جو ہمیشہ کو قائم رہے۔"

خیالات نادرہ

حصہ دوم نظم

حمد - از امیر مینائی

یہ آفتاب ہے گرم اُس کی کبریائی کا — کہ ذرہ ذرہ ہے آئینہ خودنمائی کا

پکارتا ہے یہ انداز و ناز توبہ شکن — کہ آئے وہ جسے دعویٰ ہو پارسائی کا

زمانے بھر کے حسیں کیوں نہ جان دیں اُس پر — چلن اُسی سے تو سیکھا ہے دلربائی کا

دراز عمر ہو مشاطۂ تصور کی — مزا وصال کا دیتا ہے غم جُدائی کا

فقیر اُس کی گلی کا ہوں میں عجب کیا ہے — جو تاج شاہ ہو کاسہ مری گدائی کا

پسند ہے اُسے چوکھٹ پر اپنے سجدۂ عجز — ستارہ اوج پہ ہے داغ جبہ سائی کا

حیا تو یہ ہے کہ ستر ہزار پردوں میں — مگر ہے شوق اُسے عالم آشنائی کا

طریق عشق میں گم ہو کے پہنچے منزل پر — نیا یہ راستہ سوجھا ہمیں رسائی کا

رہِ طلب میں ادب ہی سے سرفرازی ہے — مزہ کلیم سے پوچھو برہنہ پائی کا

خدا خدا جو کرے اور خودی کا دم بھی بھرے　　بڑا فریبی ہے جھوٹا ہے وہ خدائی کا

بشر سے حمد الٰہی میسر کیا ممکن

پہاڑ اٹھائے کہاں حوصلہ یہ رائی کا

حمد۔ از رند

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا　　سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

شان ارفع ہے تری مرتبہ اعلا تیرا　　تو ہے یکتا کوئی ثانی نہیں حقا تیرا

عقل کیا دخل کرے کنہ حقیقت میں تری　　حوصلہ پست ہوا مرتبہ اعلا تیرا

راہ میں اُس کی جو ثابت قدمی ہو تجھ سے　　سجدہ گہ جانے ملک نقش کف پا تیرا

جستجو میں جو نہ دوڑیں تری ٹوٹیں وہ پاؤں　　سر وہ کٹ جائے کہ جس میں نہو سودا تیرا

تو ہی نے اِس کو بنایا ہے یہ قدرت سے　　تو ہی چاہے گا تو بگڑے گا یہ پتلا تیرا

دید لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور　　میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

ایک عالم کو ترے نام کا ہے ورد اے دوست　　میں ہی کچھ ذکر نہیں کرتا ہوں تنہا تیرا

میں بھی دیکھوں گا دکھا مجھکو تجلائے جمال　　میں بھی شائق ہوں صنم صورت موسیٰ تیرا

پاک دامانی میں تیری نہیں پڑنے کا خلل　　اپنے مشتاقوں سے ناحق ہے یہ پردا تیرا

بے بہا جنس ہے تو اہل جہاں بے مقدور　　میرے یوسف نہ بنے گا یہاں سودا تیرا

عاشق روے پری شیفتہ حور نہیں　　جان جاں رند ہے دیوانہ و شیدا تیرا

شکرِ پروردگار از امانت

کیا کیا ہے کرم مجھ پہ خدائے دوجہاں کا　　شکر اُس کا ادا کر سکے کیا مُنہ ہے زباں کا

تازہ ہے چمن حمد خدائے دوجہاں کا　　کچھ دخل نہیں گلشنِ قدرت میں خزاں کا

جو آگیا اس راہ میں سالک وہی ٹھہرا　　گمراہ ہوا جو نہ یہاں کا نہ وہاں کا

دریائے کریمی میں ہیں سو طرح کے جلوے　　دیکھو صدفِ جسم میں عالم دُرِ جاں کا

صحرا میں نہ دریا میں زمیں پر نہ فلک پر　　موجود ہے پر نام نہیں اُس کے نشاں کا

دیکھے تو کوئی غور سے قدرت کے کرشمے　　شادی کہیں بچّے کی کہیں غم ہے جواں کا

دریائے غضب جوش میں آئے تو غضب ہے　　غرقاب سفینہ ابھی ہو جائے جہاں کا

بُلبل کی طرح عشق میں نالاں ہوں میں اُسکے　　ہے جو گلِ یکتا چمنِ ہر دو جہاں کا

پوشیدہ بھلا کر سکے اُس سے کوئی کیا بات　　دانندہ و واقف ہے وہ ہر رازِ نہاں کا

دم مارنے کی جا نہیں اے صاحبِ ادراک　　حقّا کہ وہاں دخل نہیں وہم و گماں کا

لب پر یہی مصرع رہے ہر وقت امانت
شکر اُس کا ادا کر سکے کیا مُنہ ہے زباں کا

مناجات۔از لاعلم

یا الٰہی یا الٰہی یا الٰہ — میں ترا ہوں بندۂ بے دستگاہ
پہنچوں تجھ تک مجھ میں یہ ہمت نہیں — دور ہوں تو طاقتِ فرقت نہیں
گر بیاں اپنی کروں میں بے کلی — فاش یا اپنا کروں رازِ دلی
تو وہ گستاخی و بیباکی ہے آہ — چپ رہوں تو جان ہو غم سے تباہ
عالمِ برزخ میں ہوں میں بین بین — جان کو میری نہیں یک لحظہ چین
زندگانی ہے مرے جی کا وبال — بے حضوری کے تری اے ذوالجلال
بند تن ہے مجھکو بندِ آہنی — جس کی کڑیاں نخوت و کبر و منی
طمع۔ حرص و بخل و حبِ مال و جاہ — عجب پندار و ریا ہیں یا الٰہ
رکھ مری شمشیرِ ہمت سان پہ — قطع ہو یہ بند جس سے سربسر
گر نہ ہو تیری عنایت کی نگاہ — تو ہوا اس بند میں بندہ تباہ
دام میں حرص و ہوا کے کر کے بند — چاہتا ہے مجھ سے پروازِ بلند
گر یہی منظور ہے تو رہ بتا — اور یہ بندِ سخت کر مجھ سے جدا
ہوں میں آہن تو ہو خود آہن رُبا — کاہ میں ہوں کر تو کارِ کہرُبا
کھینچ لیجا بحرِ وحدت تک مجھے — دے تو پہنچا شہرِ الفت تک مجھے
کر عطا دل کو مرے ایسی طپش — جس سے جل کر خاک ہو سب غل و غش

رنج محرومی کو میرے دور کر گنج عرفاں سے مجھے معمور کر
تو ہی مرشد تو ہی ہادی ہو مرا دیو غولِ نفس سے مجھ کو بچا
غرق بحرِ معصیت ہوں آہ آہ انتظارِ مغفرت ہوں آہ آہ
میں ذلیل و خوار و زار و ممتمند عاجز و مسکیں زبون و ناپسند
تو غنی و مغنی و عاجز نواز بادشاہِ ذوالجلال و کارساز
باسط و رزاق و ستارِ عیوب قاضیِ حاجات و غفارِ ذنوب
بدتروں سے جو کہ بدتر ہیں یہاں مجھ سے سو درجے ہیں بہتر بے گماں
جس سے بدتر اس جہاں میں کچھ نہیں اُس سے سو درجے ہوں بدتر بالیقیں
لطف سے کر دے مجھے یارب حسن
ہوں بُرے بدکام یکسر سب حسن

فضیلت رحم۔ از راحت

کیا برسے ہے رحمتِ الٰہی باراں جیسے کہ آسماں سے
سُن رحمت مثل پر تو نور اُترے ہے زمیں پہ لامکاں سے
نازل ہوتی ہے رحمت حق جس طرح کہ شبنم آسماں سے
نیکوں کے خمیر میں ہے رحمت جوں زہ کہ جدا نہیں کماں سے

جس سے ہو ظہور اُس کا خوش ہے ۔۔۔ خوشتر ہے وے جو ہو نہاں سے
جیسے رکھتا ہے چشم رحمت ۔۔۔ تو خالقِ ارض و آسماں سے
ہرگز مت رکھ دریغ اُس کو ۔۔۔ تو بھی ہر پیر و ناتواں سے
رحمٰن و رحیم ہے صفت یہ ۔۔۔ حق کی سُن رکھ مری زباں سے
پس ہے یہ وصف جس کسی میں ۔۔۔ بڑھ کر ہے تمام انس وجاں سے
انسان ہی نہیں ہے جو نہ ڈھانکے ۔۔۔ تعزیر کی آنکھ عاصیاں سے
ہے کون ایسا جو صاف نکلے ۔۔۔ وقتِ انصاف امتحاں سے

راحت بأمیدِ رحمتِ حق
رخصت ہوتا ہے اس جہاں میں

علاج گناہاں - از امیر مینائی (مثنوی ابرِ کرم)

روایت ہے کہ شبلیؒ شیخ کامل ۔۔۔ بزرگِ پاک باطن صاحبِ دل
سوے دار الشفا گذرے تو دیکھا ۔۔۔ کہ بیٹھے ہیں معالج اور اطبا
دوائیں سیکڑوں آگے دھری ہیں ۔۔۔ گیاہِ خشک سے پُڑیاں بھری ہیں
مریضوں سے مکاں سارا ہے معمور ۔۔۔ کوئی نزدیک ہے اُن کے کوئی دور
کوئی نالاں ہے کوئی چپ کھڑا ہے ۔۔۔ کوئی بیٹھا ہے اور کوئی پڑا ہے

اطبا سب ہیں صرفِ چارہ سازی — زباں پر سب کے صرفِ چارہ سازی
کہا شبلیؒ نے بھی اک چارہ گر سے — بہا کر اشک اپنی چشمِ تر سے
کہ مجھکو بھی گناہوں کا مرض ہے — شفا حاصل ہو اس سے یہ غرض ہے
اگر اس کی دوا بھی ہو ترے پاس — نہ توڑ اسوقت مجھ بیمار کی آس
کہ میں اس درد سے ہوں سخت بیتاب — رہا کرتا ہوں اکثر بے خور و خواب
کہا اُس نے نہیں اس کی دوا کچھ — نہیں تدبیر جز فضلِ خدا کچھ
یہاں ہوگا نہ اِس غم سے افاقہ — طبابت کو نہیں اس سے علاقہ
کوئی دیوانہ تنکے چُن رہا تھا — یہ باتیں جو ہوئیں سب سُن رہا تھا

اُٹھا کر سر کہا شبلیؒ اِدھر آ
بتا دوں میں دوا اِس کی اِدھر آ

معجون مرضِ گناہ

حیا کے پھول صبر و شکر کے پھل — نیاز و عجز کی جڑ غم کی کونپل
نہالِ صدق کی ڈالی کے اوراق — ادب کی چھال تخمِ حُسنِ اخلاق
ریاضت کا اگر ہاون ہو ممکن — تو اُس میں کوٹ ان کو رات اور دن
عرق اشکِ پشیمانی کا لے کر — کیا کر روز تو اُس میں انہیں تر
کئی چلّے یہی معمول کر لے — پھر ان کو دیگچی میں دل کی بھر لے

اوجاغِ شوق پر رکھ کر پکانا | رہے خامی تو جان اپنی جلانا
مناسب چھاننے کا پھر ہے سامان | صفائے قلب کی صافی میں تو چھان
جو چھن کر صاف ہو جائے وہ پانی | ملانا شکرِ شیریں زبانی
کہ یہ معجون کھاتی ہے بڑی آنچ | محبت کی اسے دینا کڑی آنچ
غرض جب ہو چکے معجون طیّار | رہے نقصاں نہ باقی کوئی زنہار
تو رکھنا حفظ کی ڈبیا میں بھر کے | ہوائے اتّقا سے سرد کر کے
جہاں تک تجھ سے کھائی جائے کھانا | یہ کچھ اس کی قدر شربت پہ نہ جانا
مضر ہونے کا اندیشہ نہیں کچھ | ضرر اس نے نہیں بخشا کہیں کچھ
موادِ فاسدِ عصیاں کے حق میں | نہیں مثل اس کا ہستی کے ورق میں
ہوا ہو جائے گا دردِ معاصی | جو چاہے امتحاں کر دیکھے عاصی
یہ نسخہ ہے نہایت آزمودہ | اطبّائے معارف کا ستودہ
کہا شبلیؒ نے حضرت بارک اللہ | یہ نسخہ ہے کرامت بارک اللہ

یہ سُن کر ہو گیا غائب وہ مجنوں
پھر آئے شیخ شبلیؒ دل جگر خوں

بخیل کی ہجو ۔ از سودا

ہے خدا کا یہ ایک شمۂ نور   جس سے روشن ہے آسماں کا تنور
کرتے اس کو لگے نہ ذرہ دیر   مہر و مہ کو بشکل نان و پنیر
کیا اُس نے بعرصۂ اک آن   نُقلِ اختر سے پُر سپہر کا خوان
وہ کروروں نعم کو لذت دے   ذائقے میں زبان انساں کے
کس زباں سے ہو اُس کا شکر ادا   نعمتیں کیا کیا اُن نے کیں پیدا
میوے ہیں باغ میں زمانے کے   واسطے کھانے اور کھلانے کے
فضل کی اُس کے کچھ نہیں ہے کمی   لیک وہ کیا کرے جو ہم ہوں دنی
سنو یارو کروں ہوں میں اک نقل   جس کو باور کرے نہ ہرگز عقل
اتفاقاً اک آشنا میرے   گئے تھے ایک عمدہ کے ڈیرے
جوہیں وارد ہوئے وہاں ناگاہ   اُٹھا چاروں طرف سے ابر سیاہ
اُن کے ہوتے جو ابر گھر آیا   صاحب خانہ سخت گھبرایا
نہ خبر پوچھی اُن کی نے کچھ حال   بیٹھتے ہی کیا یہ اُن سے سوال
کچھ ہوا پر بھی ہے تمھاری نگاہ   گھونگری پتو کچھ بھی ہے ہمراہ
بولے وہ منہ نہ تھا بہ مجھے معلوم   ورنہ لاتا میں ساتھ اے مخدوم
جب نہ سمجھے وہ اسکے رمز کے تئیں   سوجھی یہ بات اُس کے تئیں وو ہیں

لگی ہونے جو قطرہ افشانی　　　لا رکھی اُن کے آگے بارانی
اور لگا کہنے یہ ہیں اپنے نصیب　　　آوے مدّت کے بعد اپنا جیب
اور منہہ آسمان برساوے　　　بھیگتا اپنے گھر کو وہ جاوے
یہ تو سادے غریب کیا جانیں　　　اُس مزور کو کیونکہ پہچانیں
بولے یہ سادگی سے کیا ہے ضرور　　　بھیگتا جاؤں گا میں اتنی دور
رکھے خالق سلامت آپکی ذات　　　نہ کھُلے گا تو میں رہونگا رات
جوہیں یہ بات پہنچی اُس کے کان　　　وہیں اُس کی لگی نکلنے جان
سُن کے یہ بات ہو گیا مضطر　　　اپنے بیگانے کی رہی نہ خبر
جس کے مُنہہ کی طرف کرے تھا نگاہ　　　یہی کہتا تھا اُس سے بھر کر آہ
کیوں میاں ابر اس قدر چھایا　　　حرف رہنے کا درمیاں آیا
مضطرب برق سے نہ ہو بھونچال　　　بادلوں سے جو اُس کا تھا احوال
کبھی کہتا تھا یار و تیل جلاؤ　　　کبھی کہتا تھا شیخ ڈونڈوں بناؤ
گاہ بولے تھا دیکھیو اوپر　　　آوے ہے آسماں کہیں سے نظر
ناگہہ بولا ہی ایک وہیں فی الفور　　　کچھ نظر آئے ہے جو کیجئے غور
پوچھا اُس سے یہ سچ ہے میری جان　　　اے مَیں تیری زبان کے قربان
ابھی گر آسمان ہوئے پدید　　　کیسی ہو جائے اپنے گھر میں عید
لیک پرنالے جب لگے بہنے　　　تب تو جھنجھلا کے یوں لگا کہنے

کیا برستا ہے یوں برس کمبخت　　کوہ تک ڈوب جائیں سارے درخت
نہ رہے غرب نے رہے اب شرق　　چاہیئے ہو تمام عالم غرق
لیکے ماہی سے اور تا مہتاب　　کاش ہو جائے ایک قطرۂ آب
غرض اپنی سی وہ تو کر گذرا　　ہو گئی رات لیک مینہ نہ کھلا
آخرالامر کرکے دل کو کرخت　　لگا کہنے کہ سنگ آمد و سخت
کر چکا اپنے جب اصول و فروع　　کیا مہماں سے اختلاط شروع
جو وہ کرتا تھا یارو ذکر و سخن　　نہ تھا غیر از حدیث زرغبًا
وقت آیا جب اُس کے کھانیکا　　مرتکب ہو کے اس بہانے کا
لگا کہنے کہ کوئی ہے حاضر　　بولا اُسوقت ڈیوڑھی کا ناظر
کہا اُس سے کہ بھر کے افتابا　　محل کے جا ضرور میں رکھوا
غرض اُٹھکر چلا وہ جب واں سے　　کہ گیا کان میں یہ مہماں سے
چاہو جو کچھ کہ تم تناول کو　　کہدو بلوا کے اب بکاول کو
اُنھوں نے اُسکی موجب ارشاد　　کی بکاول کے تئیں وہیں فریاد
آیا بعد از سماجت بسیار　　اُس سے پوچھا کہ کچھ ہے اب تیار
کہا تیار تو نہیں ہے کچھ　　جاؤں ڈھونڈھوں اگر کہیں ہے کچھ
تو تو لاتا ہوں آپ کی خاطر
ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

آفتاب - از ناسخ

دیکھ حالِ غروبِ شمس ذرا — ہیں ہزاروں منافع اے دانا
نہ غروبِ آفتاب اگر ہوتا — رنج لوگوں کو بیشتر ہوتا
عیش و راحت کے ہیں سبھی محتاج — استراحت کے ہیں سبھی محتاج
تھکیں تا ماندگی سے اُن کے بدن — پائیں قوت حواس مرد و زن
قوتِ ہاضمہ قیام کرے — فکرِ ہضمِ طعام شام کرے
ہاضمے میں نہ ہو فتور ذرا — پہنچے شب کی غذا سے سو اعضا
دن ہمیشہ اگر رہا کرتا — محنتیں آدمی کیا کرتا
حرص سے راحتیں بھلا دیتے — جسم کو آدمی گھلا دیتے
کہ بلا شبہہ لوگ ہیں اکثر — مستعد مال جمع کرنے پر
رات کی تیرگی نہ آتی نظر — محنتوں سے نہ باز رہتے بشر
متصل ایسے کام کرتے حریص — کام اپنے تمام کرتے حریص
آمدِ شب کا قاعدہ سن اور — ہے یہ نکتہ مقام فکرت و غور
دھوپ اگر شام کو نہ ٹل جاتی — پھر تو ساری زمین جل جاتی
کبھی روئیدگی نہ پاتی نبات — ہوتے ضائع تمام حیوانات
پس یہ ہے حکمتِ خدائے قدیر — جو امورِ انام کا ہے خبیر

اس طرح اُس خدا نے ٹھہرایا — حکمتِ پاک کو یہی بھایا
رہے خورشید کو طلوع و غروب — ہے نظامِ جہاں کا یہ اسلوب
شب جلاتے ہیں جس طرح یہ چراغ — بار پاتے ہیں جس طرح یہ چراغ
جب وہ پاتے ہیں کاموں سے فرصت — تب چراغوں کو کرتے ہیں رخصت
سب یہ بہرِ نظامِ عالم ہے — سببِ انتظامِ عالم ہے
گردشِ ارض میں تفکر کر — اس کے پست و بلند پہ ہو نظر
اس کی تاثیر سے تو ہے ماہر — چار فصلیں ہیں مختلف ظاہر
اُس مدبّر کی ہے عیاں تدبیر — حبّذا قدرتِ حکیم قدیر
آکے جاڑا جو جاتی ہے گرمی — دخل باطن میں پاتی ہے گرمی
تا نبات و شجر میں اے دانا! — مادّے میووں کے ہوں سب پیدا
جب حرارت ہوا میں آتی ہے — تو کثافت ہوا میں آتی ہے
مینہ کے سامان کرتی ہے پیدا — اور باران کرتی ہے پیدا
جسم جاندار ہوتے ہیں محکم — قوتیں پاتے ہیں بوجہ اتم
فصل سرما میں جب نبات و شجر — بھرتے ہیں مادّوں سے سرتاسر
بے تکلف شروع فصل بہار — حرکت پاتے ہیں نبات اشجار
شاہدانِ چمن اسی سے ہیں — گھاس بوٹے اسی سے اُگتے ہیں
جبکہ آتی ہے فصل تابستاں — ہوتی ہیں گرمیاں ہوا میں عیاں

پختہ ہوتے ہیں باطنِ اثمار — سوکھتیں ہیں رطوبتیں یکبار
جو رطوبات و خلط فاسد ہیں — جتنے فضلات و خلط فاسد ہیں
جسم حیواں سے ہوتے ہیں تحلیل — سب بتدریج پاتے ہیں تحلیل
نہیں رہتا زمین میں پانی — تا عمارت بنے بآسانی
صاف ہو جاتی ہے ہوا ساری
نہیں رہ سکتی کوئی بیماری

جنگ سہراب و رستم - از منشی

ہوا مہر تاباں جو پرتو فگن — تو سہراب اور رستم پیلتن
پہن کر زرہ رخش پر ہو سوار — گئے سوئے میداں پئے کارزار
ولے نرم سہراب کا دل ہوا — سوئے اُلفت و مہر مائل ہوا
تہمتن سے پہلے ہوا صلح جو — کہا وہیں ہنسکر کہ اے تند خو
مصمم کیا تو نے اب دل میں کیا — ارادہ لڑائی کا یا صلح کا
یہ بہتر ہے ہم تم نہ ہوں رزمخواہ — کریں آشتی اور شام و پگاہ
بہم محفل آرائے و مے نوش ہوں — بہ چنگ و دف و نے طرب کوش ہوں
کریں عہد و پیمان محکم بہم — پشیماں ہوں اب کینہ خواہی سے ہم

تو کیسو ہوتا اور کوئی جواں   یہاں آن کر ہو ستیزہ کناں
مرے دل میں پیدا ہوئی تیری مہر   نہ ہو کینہ جو تو بھی زیرِ سپہر
نشانی جو کچھ چاہیئے ہے عیاں   ولے نام تیرا ہے مجھ سے نہاں
کسی نے بتایا نہیں زینہار   تو کر نام کو اپنے اب آشکار
تو شاید کہ ہے زال زر کا پسر   یلِ پیلتن رستمِ نامور
سرِ صلح ہر چند تھا وہ جواں   پر ایمن نہ تھا رستمِ پہلواں
کہے تھا یہ دل میں یلِ پیلتن   نہیں طفل کا اعتبارِ سخن
یہ پاسخ دیا پھر کہ سن اے جواں   نہیں میں بھی کودک تو گر ہے جواں
بہت میں نے دیکھا فراز و نشیب   نہ کر مجھ سے گفتارِ مکر و فریب
کمر باندھ پشتِ ہیوں سے اُتر   کہ سرگرمِ کشتی ہوں اب ہمگر
جو دیکھا کہ رستم ہے اب گرمِ کیں   تو ناچار سہراب بولا وہیں
تو مائل ہوا سوے کشتی اگر   تو ہاں میں بھی کشتی کو حاضر ہوں پر
نہیں چاہتا تھا کہ تجھ سا جواں   مرے ہاتھ سے کشتہ ہووے یہاں
یہ کہکر وہ دونوں یلِ نامدار   لگے کرنے کشتی کے فن آشکار
کیا زور رستم نے واں حد سے بیش   گیا آگے سہراب کے کچھ نہ پیش
ہوا وہ خروشندہ جوں پیلِ مست   کیا زور سے اُس نے رستم کو پست
جو کھینچا پکڑ کر کمر بند کو   تو سنبھلا نہ پھر رستمِ نامجو

زمیں نے بہم پشت رستم ہوئی — خرابی تہ چرخ پُر خم ہوئی
گرا خاک پر جب یلِ نامور — تو سہراب بیٹھا وہیں سینے پر
لیا کھینچ پھر خنجرِ آبگوں — یہ چاہا کہ اس کو کرے غرق خوں
کیا حیلہ رستم نے اسوقت واں — لگا کہنے سہراب سے اے جواں
یہاں کا یہ آئیں نہیں زینہار — کرے زیر جس کو کوئی ایک بار
تو سر کو کرے اُس کے تن سے جدا — مگر ہو دگر بار زور آزما
اُسے قوت و زور سے لاوے زیر — کرے شوق سے قتل پھر وہ دلیر
یہ سُنکر وہ اُس کے اُٹھا سینے سے — غرض ہاتھ اٹھایا وہیں کینے سے
گیا پھر وہ سہرابؔ فرخ نہاد — طرف اپنے لشکر کے خنداں وشاد
کہا جب کہ ہومان سے یہ ماجرا — کیا اُس نے افسوس اور یوں کہا
کہ عیاری و مکر سے کینہ خواہ — رہا ہو گیا ہاتھ سے تیرے آہ
نہ دیکھا تھا گاہے فراز ونشیب — تو اک طفل تھا تو نے کھایا فریب
تہِ دام آیا تھا شیرِ ژیاں — دیا چھوڑ تو نے کیا قہر ہاں
ہوئی بیوقوفی یہ تجھ سے کمال — رہائی تری اُس سے اب ہے محال
یلِ نوجواں نے کہا کیا ہے غم — کروں گا اُسے زیر پھر صبحدم
گیا جبکہ رستم سوے خیمہ گاہ — رہا شب کو زاری کناں تا پگاہ
دعا اُس نے مانگی کہ اب یا خدا — وہی زور دے مجھکو پہلے جو تھا

اُسے ابتدا میں تھا زور اس قدر زمیں چاک ہوتی تھی ہر گام پر
وہ عاجز بہت وقت رفتار تھا زمیں پر خرام اُس کا دشوار تھا
ہوا تھا تب اس بات کا خواستگار کہ کچھ زور کم ہووے یا کردگار
ہوئی تھی مناجات اس کی قبول مراد اُس کی وہیں ہوئی تھی حصول
غرض کر کے شب زاری و انکسار ہوا زور پیشیں کا پھر خواستگار
خدا نے پذیرا کی اُس کی دعا
وہی زور اُس کو کیا پھر عطا

سُہراب کا مارا جانا رستم کے ہاتھ سے

سحر دیکھ کر قوت و زور تن ہوا شادماں پہلوانِ زمن
سپاس عنایات پروردگار بجا لا کے اور رخش پر ہو سوار
گیا شاد و خرم سوے رزمگاہ ہوا جا کے سُہراب سے کینہ خواہ
یہ سُہراب نخوت سے کہنے لگا کہ چنگال سے میرے ہو کر رہا
تو پھر آج آیا سوے کارزار عزیز اپنی شاید نہیں جان زار
تہمتن یہ بولا کہ جب تک ہے جاں ترے ساتھ ہوں گا ستیزہ کناں
وہ کرنے لگے پھر درشتی بہم ہوے مائلِ زور و کشتی بہم
بہم خوب زور آزمائی ہوئی نہ سُہراب کو پھر رہائی ہوئی

پکڑ کر کمر بند سہراب کا ... زمیں سے لیا پہلتن نے اُٹھا
پٹک کر زمیں پر اُسے پھر وہیں ... سرِ سینہ بیٹھا وہ ازروے کیں
یہ سوچا کہ یہ گُرد زور آزما ... جو پھر اُٹھ کھڑا ہو تعجب ہے کیا
غرض کھینچکر خنجرِ آبدار ... کیا سینہ و دل کو اُس کے فگار
وہ خستہ جگر کھینچ کر ایک آہ ... یہ بولا کہ تجھے بخت میرے سیاہ
یہاں میں جو آیا تو یہ تھی مراد ... کہ دیدار سے باپ کے ہوں میں شاد
تمنائے دل کچھ نہ حاصل ہوئی ... بملکِ عدم جان واصل ہوئی
جو دریا میں اب ہووے مسکن گزیں ... تو یا جائے بالائے چرخِ بریں
مرا باپ تجھکو نہ چھوڑیگا واں ... کریگا ہلاک آن کر اے جواں
کہا نام کیا اُس نے تب یوں کہا ... کہ ہے نام رستم مرے باپ کا
جب اُس خستہ تن سے سُنا یوں سخن ... تو غمگین ہوا رستمِ پیلتن
پڑا ہو کے بیہوش بس خاک پر ... جب آیا ذرا ہوش تب نالہ کر
لگا کہنے اُس سے کہ کر یہ بیاں ... ترے پاس رستم کا کیا ہے نشاں
کہ میں ہی سیہ بخت رستم ہوں آہ ... جہاں جس کی آنکھوں میں ہووے سیاہ
یہ سہراب نے سُن کے پاسخ دیا ... کہ صد حیف اے گُرد کشور کشا
بہت گرم اُلفت مرا دل ہوا ... ولے تو اِدھر کچھ نہ مائل ہوا
نشانی تو دیکھ اب زرہ کر کے وا ... کہ مہرہ ہے بازو پہ میرے بندھا

نہیں زخم سے اب یہ طاقت مجھے　　کہ کھولوں زرہ اور دکھاؤں تجھے
وہ مہرہ جو دیکھا زرہ کر کے وا　　تو رستم نے پھر شور و نالہ کیا
یہ بولا کہ اے جان من بے گناہ　　تو کشتہ ہوا ہاتھ سے میرے آہ
پسر کو کسی نے بھی مارا نہیں　　نہیں یہ ہوا جور ہرگز کہیں
نہ چھوڑے گا زنہار مجھکو یہ غم　　رہوں گا گرفتار رنج و الم
یہی اب ہے بہتر کہ ہوں میں ہلاک　　کروں اپنے سینے کو خنجر سے چاک
یہ سہراب بولا کہ کیا فائدہ　　نہیں چارہ زنہار پیشِ قضا
تڑپتا تھا سہراب بسمل اُدھر　　اِدھر رستمِ گرد تھا نوحہ گر
جو دیکھا کہ رخشِ یلِ نامدار　　کھڑا ہے بہت دیر سے بے سوار
سوارانِ لشکر گئے تب اِدھر　　تو دیکھا کہ رستم پڑا خاک پر
کرے ہے فغاں اور بیتاب ہے　　تڑپتا پڑا واں بھی سہراب ہے
یہ جانا کہ زخمی ہیں دونوں جواں　　لگا زخم کاری ہوئے ناتواں
اُٹھا کر سرِ رستمِ نامور　　لگے پوچھنے سب کہ کیا ہے خبر
زرہ پارہ اور چاک کر پیرہن　　لگا کہنے یوں رستمِ پیلتن
ہوا ہاتھ سے میرے ایسا ستم　　رہے گا قیامت تلک یاد غم
مرے روے و سر پر پڑے ہاے خاک　　پسر کو کیا میں نے ناحق ہلاک
یہ کہکر وہیں کھینچ خنجر لیا　　کہ تن سے کرے اپنی گردن جدا

پکڑ کر شتابی سے رستم کا ہات لگے رونے گردان فرخ صفات
زوارہ نے پارہ گریباں کیا غم و درد سے شور و افغاں کیا
کہا پھر یہ سہراب سے کیا ہے حال وہ بولا کہ ہے درد مجھ کو کمال
جگر پر مرے زخم کاری لگا نہیں کچھ بھروسہ ہے اب زیست کا
یلِ پیلتن کے سراپا نشاں مری ماں نے مجھ سے کئے تھے عیاں
ہجیرِ سیہ بخت سے بارہا جو پوچھا تو پوشیدہ اس نے رکھا
مجھے نام رستم بتایا نہیں رکھا ہائے غافل جتایا نہیں
مقابل مرے جبکہ رستم ہوا تو پرسانِ حال اس سے ہر دم ہوا
رکھا اس نے بھی نام اپنا نہاں کیا میرے آگے نہ ہرگز عیاں
کوئی کیا کرے کس کا ہے اختیار نہیں چارہ تقدیر سے زینہار
پسر کی اجل باپ کے ہاتھ تھی ازل سے یہ ٹھہری ہوئی بات تھی
یہ احوال سن کر ہوئے نوحہ گر زوارہ اِدھر اور رستم اُدھر
لگے کوٹنے سینہ و سر وہاں کیا دیدۂ تر سے دریا رواں
یہ سہراب دل خستہ نے پھر کہا کسی کو نہیں اس جہاں میں بقا
نہ تم گریہ و نالہ اتنا کرو ذرا صبر کو دل میں اب راہ دو
بحل تم کو میں نے کیا اپنا خوں ولے التماس ایک رکھتا ہوں یوں
کہ زنہار اب رستم ارجمند نہ پہنچاوے لشکر کو میرے گزند

نہ ہو جائے ترکوں سے پھر کینہ خواہ — نہ کھینچے سوے ملک توراں سپاہ
کہ مولد مرا ملک توران ہے — مری جائے بازی وہ میدان ہے
اگر زندہ رہتا تو ہر ایک پر — مراعات کرتا میں شام و سحر
پدر بعد میرے مدارا کرے — تلطف مدام آشکارا کرے
جگر خستہ نے جو کہ اُس دم کہا — تہمتن نے یکسر پذیرا کیا

انتخاب از مثنوی گلزار نسیم مصنفۂ نسیم لکھنوی

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زمانِ باستانی — یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ — سلطان زین الملوک ذیجاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ — دشمن کش و شہریار تھا وہ
خالق نے دئے تھے چار فرزند — دانا عاقل ذکی خردمند
نقشہ ایک اور نے جمایا — پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
اُمید کے نخل نے دیا بار — خورشید محل ہوا نمودار
وہ نور کہ صدقے مہر انور — وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو — چشمک تھی نصیب اُس پدر کو
خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے — ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو — پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفلِ ابتر — مانند سرشک دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا — پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
تھا افسرِ خسرواں وہ گلفام — پالا تاج الملوک رکھہ نام
جب نامِ خدا جواں ہوا وہ — مانند نظر رواں ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ — نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی — بینائی کے چہرے پر نظر کی
مہرِ لبِ شہ ہوئی خموشی — کی نور بصر سے چشم پوشی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
ہر چند کہ پادشہ نے ٹالا — اُس ماہ کو شہر سے نکالا
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور — خارج ہوا نور دیدۂ کور
آیا کوئی لیکے نسخۂ نور — لایا کوئی جا کے سرمۂ طور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے — مختار ہے جس طرح نباہے

جانا چاروں شاہزادوں کا بتجویزِ کحال تلاشِ گُلِ بکاولی کو

پایا جو سفید چشمِ صفحا — یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
تھا ایک کحال پیر دیریں — عیسیٰ کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں

وہ مردِ خدا بہت کراہا　　سلطاں سے ملا کہا کہ شاہا
ہے باغ بکاولی میں اک گل　　پلکوں سے اُسی پہ مار چنگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی　　ہے مہر گیا اُسی چمن کی
اُس نے تو گلِ ارم بتایا　　لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار　　رخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لیکے ہمراہ　　لشکر اسباب خیمے خرگاہ
وہ بادیہ گردِ خانہ برباد　　یعنی تاج الملوک ناشاد
میدان میں خاک اڑا رہا تھا　　دیکھا تو وہ لشکر آرہا تھا
پوچھا تم لوگ خیل کے خیل　　جاتے ہو کدھر کو صورتِ سیل
بولا لشکر کا اک سپاہی　　جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
سلطان زین الملوک شہزور　　دیدارِ پسر سے ہو گیا کور
منظور علاجِ روشنی ہے　　مطلوب گلِ بکاولی ہے
گل کی جو خبر سنائی اُس کو　　گلشن کی ہوا سمائی اُس کو
ہمرہ کسی لشکری کے ہوکر　　قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

حکایت نصیحت گری مرغ اسیر اور نافہمی صیّاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیّاد　　دانا تھا وہ طائر چمن زاد
بولا جب اُس نے باندھے بازو　　کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو

بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں   گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں

پالا تو مفارقت ہے انجام   دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام

بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ   سمجھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھ

سن کوئی ہزار کچھ سناوے   کیجئے وہی جو سمجھ میں آوے

قابو ہو تو کیجئے نہ غفلت   عاجز ہو تو ہاریئے نہ ہمّت

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے   جاتا ہو تو اُس کا غم نہ کیجے

طائر کے یہ سُن کلام صیّاد   بن داموں ہوا غلام صیّاد

بازو کے جو بند کھول ڈالے   طائر نے تڑپ کے پر نکالے

اِک شاخ پہ جا چہک کے بولا   کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا

ہمّت نے مری مجھے اُڑایا   غفلت نے تری تجھے چھوڑایا

دولت نہ نصیب میں تھی تیرے   تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیّاد نے دلاسا   چاہا پھر کچھ لگائے لاسا

بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جل   طائر بھی کہیں نگلتے ہیں لعل

ارباب غرض کی بات سُنکر   کر لیجئے یک بیک نہ باور

فرخ یہ وہی مثل نہ ہووے   دیکھا جو تجھے دہل نہ ہووے

مشتاق تو تھا چلا وہ دستور   دکھلائی دیا وہ بقعۂ نور

نقشے میں وہ گلشنِ نگاریں   گلزارِ ارم سے تھا خوش آئیں

حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے ‏ ‏ ‏ پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے
اس سوچ میں تخت گہ تک آیا ‏ ‏ ‏ حیراں وہ وزیر شہ تک آیا
آداب اک کر کے حسب دستور ‏ ‏ ‏ ٹھہرا تو وہ پادشاہِ مستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے ‏ ‏ ‏ کیا جانے کہ خود بکاولی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام ‏ ‏ ‏ بولا وہ کہ نام سے ہے کیا کام
انساں ہوں بندۂ خدا ہوں ‏ ‏ ‏ بھیجا زین الملوک کا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے ‏ ‏ ‏ بن گھیر لیا مکاں بنائے
بھگا کے بسائے مردم شہر ‏ ‏ ‏ حضرت کا بڑا ہے آپ پر قہر
دعویٰ یہ ہے یاں زمین دابی ‏ ‏ ‏ آبادی میں آئی ہے خرابی
خیر اب بھی رفع شر جو چاہو ‏ ‏ ‏ سر آنکھوں سے چل کے جو کہا ہو
بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم ‏ ‏ ‏ شر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم
درویشی میں دل کے پادشا ہیں ‏ ‏ ‏ مسند کے تکیۂ پر گدا ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا ‏ ‏ ‏ مثلِ دلِ بدگماں رکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو ‏ ‏ ‏ باہم مہ و مہر کا قراں ہو
بولا وہ فقیر کی بلا جائے ‏ ‏ ‏ مشتاق جو ہو وہ شوق سے آئے
بولا وہ کہ خیر تا بفردا ‏ ‏ ‏ اٹھ جائیگا درمیاں سے پردا
یہ کہکے پھرا وزیر آیا ‏ ‏ ‏ پہنچا تو وہ شہر خالی پایا

شہزادہ و شہ محل میں تھے واں　　برہم زدہ بزم کے چراغاں
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا　　فرخ فرخ پکار اُٹھا
سلطاں کے نثار ہو کے دستور　　بولا کہ بلائے شاہ ہو دور
دیکھ آیا میں وہ مکان یاقوت　　ہے معدنِ لعل و کانِ یاقوت
تختہ ہے زمردیں کہ مینو　　گلشن ہے جواہریں کہ جادو
نقشہ کہوں کیا نگارخانہ　　جادو کا تمام کارخانہ
دیووں کی بنائی ہے وہ بنیاد　　رہنے والے ہیں آدمی زاد
واں صاحبِ تاج و تخت جو ہے　　درویش ہے شاہ نام کو ہے
دیو اُس کے عمل میں آگئے ہیں　　جادو کے محل بنا گئے ہیں

کل آپ بھی چل کے کیجئے سیر
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

صفت انبہ از غالب

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز　　کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا　　شاخِ گل کا ہے گل فشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے　　نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے　　خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مرد میداں ہے — ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں — آئے یہ گوے اور یہ میداں
آم کے آگے پیش جاے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور — بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے — آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار — جب خزاں ہو تب آئے اسکی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں — جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
جان میں ہوتی گر یہ شیرینی — کوہ کن باوجود غمگینی
جان دینے میں اس کو یکتا جان — پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر — کہ دواخانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرہ کے تار کا ہے ریشہ تمام
یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے — باغبانوں نے باغ جنت سے
یا لگا کر خضر نے شاخ نبات — مدتوں تک دیا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل — ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس — رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر اکبار — پھینک دیتا طلاے دست افشار

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا　　نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ　　طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
نازپروردۂ بہار ہے آم

عرضی بہ گذارشِ حال پُر ملال از غالب

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ　　اے جہاندارِ آفتاب آثار
تھا میں اک بینوائے گوشہ گزیں　　تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھکو جو آبرو بخشی　　ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز　　روشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری　　ہوں میں اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی　　جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیک اپنے جی میں کہ ہوں　　بادشہ کا غلامِ کارگزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح　　تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہوگیا صد شکر　　نسبتیں ہوگئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں　　مدعائے ضروری الاظہار

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں　　شوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر　　تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش　　جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کی سال　　کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ　　بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں　　دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی　　وقنا ربنا عذاب النار
میری تنخواہ جو مقرر ہے　　اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک　　خلق کا ہے اُسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات　　اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض　　اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا　　ہوگیا ہے شریک ساہوکار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ　　تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار
ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام　　شاعری سے مجھے نہیں سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

غزلیات

سودا

(۱)

گلہ لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

مرے سجود کی دیر و حرم سے گذری قدر
رکھوں ہوں دعویٰ ترے در پہ جبہہ سائی کا

دماغ جھڑ گیا آخر ترا نہ اے نمرود
چلا نہ پشہ سے کچھ بس تری خدائی کا

کبھی پہنچ نہ سکے دل سے تا زباں یک حرف
اگر بیاں کروں طالع کی نارسائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاہد اُس آفت دیں کو
خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

طلب نہ چرخ سے کر نانِ راحت اے سودا
پھرے ہے آپ یہ کاسہ لئے گدائی کا

(۲)

بلبل نے جسے جا کے گلستان میں دیکھا
ہم نے اُسے ہر خار بیابان میں دیکھا

روشن ہے وہ ہر ایک ستارے میں زلیخا
جس نور کو تو نے مہِ کنعان میں دیکھا

برہم کرے جمعیتِ کونین جو پل میں
لٹکا وہ تری زلف پریشان میں دیکھا

واعظ تو سنے بولے ہے جس روز کی باتیں
اُس روز کو میں نے شبِ ہجران میں دیکھا

اے زخمِ جگر سودۂ الماس سے خوکر کتنا وہ مزہ تھا جو نمک دان میں دیکھا

سوداؔ جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا

(۳)

ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں
کیونکر نہ چاک چاک گریبان دل کروں دیکھوں ہوں تیری زلف کو میں بہت شانہ میں
اے مرغِ دل سمجھ کے تو چشمِ طمع کو کھول ورنہ سنا ہے دام جسے ہے وہ دانہ میں
چلّے میں کھینچ کھینچ کیا قد کو جوں کماں تیرِ مراد پر نہ بٹھایا نشانہ میں
ہم سا تجھے ہے ایک ہیں تجھ سے ہیں کئی جا دیکھ لے تو آپ کو آئینہ خانہ میں

سوداؔ خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

(۴)

(غزل قطعہ بند)

وہی جہاں میں رموزِ قلندری جانے بھبوت تن پہ جو ملبوس قیصری جانے
غلام اُس کی میں ہمت کا ہوں کہ جو اپنے جگر کے خون کو خوانِ توانگری جانے
فہیم ہے وہی آفاق میں ترا جویا کہ جس میں پائے تجھے اُس کے پھر بری جانے
تو بیچ کر مری یا خواجۂ سخن پرور کہ تجھ سوا نہ کوئی بندہ پروری جانے

جو خار راہ طلب میں ہوا ہو دامنگیر — غیور اُس کی بہ از خضر رہبری جانے
زباں دہن میں تو غنچہ کی بھی ہے۔ کیا لازم — کہ جس کے مُنہ میں زباں ہے سخنوری جانے
دُرِ سخن کو تو غواص بحرِ معنی پائے — وگرنہ کیسی ہی کوئی شناوری جانے
سخنور اب یہ ہیں جس طرح آپ کو کوئی — گُہر کسی کا پڑا پاکے جوہری جانے
گداز دل نے کیا ہے مرا طلائی رنگ — وہ طالب اُس کا ہے جو کیمیاگری جانے
ترا مقال رہِ دیں سے دور ہے اے شیخ — مرید گو اُسے قولِ پیمبری جانے
یہاں سے نفع کوئی کیا لے جنس دل کو بیچ — جو جی بچے اُسے قسمت کی یاوری جانے
کسی گدا نے سُنا ہے یہ ایک شہ سے کہا — کروں میں عرض اگر اُس کو نہ سرسری جانے
امور ملکی میں اول ہے شہ کو یہ لازم — گدا نوازی و درویش پروری جانے
مقامِ عدل پہ جبدم سریر آرا ہو — ہر ایک خورد و کلاں میں برابری جانے
وہی ہو رائے مبارک میں اُس کی گوشہ نشیں — کہ جس میں عامہ خلقت کی بہتری جانے
ملازموں سے نہ لاوے یہ اُس کو بر سرِ کار — کہ جس سے کار خلائق کی ابتری جانے
چمن ہے ملک رعیت ہے گل انھوں کے لئے — بسانِ ابر سرِ سایہ گستری جانے
ہمیشہ جود و کرم میں سمجھ ہر اک کی قدر — مساوی از اُمرا تا بہ لشکری جانے
بجا جو طرح سپاہی دے اُس کو سمجھے مرد — نہ یہ کہ مرنے کو سچا سپہ گری جانے
جو شخص نائبِ داور کہائے عالم میں — یہ کیا ستم ہے نہ آئین داوری جانے
سوائے ان سخنوں کے جو تاج زریں کو — خیال اپنے میں سر دھر کے سروری جانے

کہ فخر تاج تو یوں نزد فہم ہے جس طرح خرد سی آپ کو سلطان خاوری جانے

غرض یہ وہ غزل قطعہ بند ہے سوداؔ
کہ جس کی قدر کوئی کیا جز انوری جانے

میر تقی میرؔ

(۱)

مُنہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا — حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
تھے بُرے مغبچوں کے تیور لیک — شیخ میخانہ سے بھلا کھسکا
داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب — ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا
بحر کم ظرف ہے بساں حباب — کاسہ لیس اب ہوا ہے تو جس کا
فیض اے ابر چشم تر سے اُٹھا — آج دامن وسیع ہے اس کا

تاب کس کو جو حال میرؔ سنے
حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

(۲)

ہم بھی پھرتے ہیں ایک حشم لیکر — دستۂ داغ و فوج غم لیکر

دست کش نالہ پیشرو گریہ — آہ چلتی ہے یاں علم لیکر
مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لیکر
اُس کے اوپر کے دل سے تھا نزدیک — غمِ دوری چلیں ہیں ہم لیکر
بارہا صید گہہ سے اُس کے گئے — داغ یاس آہوئے حرم لیکر
ضعف یاں تک کھنچا کہ صورتگر — رہ گئے ہاتھ میں قلم لیکر
دل پہ کب اکتفا کرے ہے عشق — جائے گا جان بھی یہ غم لیکر
شوق اگر ہے یہی تو اے قاصد — ہم بھی آتے ہیں اب رقم لیکر

میرؔ صاحب بھی چوکے اے بدعہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لیکر

(۳)

میں کون ہوں اے ہمنفساں سوختہ جاں ہوں — اک آگ مرے دل میں ہے جوں شعلہ فشاں ہوں
لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر — میں ورنہ وہی خلوتیِ رازِ نہاں ہوں
جلوہ ہے مجھی سے لبِ دریائے سخن پر — صد رنگ مری موج ہے میں طبع رواں ہوں
پنجہ ہے مرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح — میں شانہ صفت سایہ روِ زلفِ بتاں ہوں
دیکھا ہے مجھے جس نے سو دیوانہ ہے میرا — میں باعثِ آشفتگیِ طبعِ جہاں ہوں
تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبشِ لب کی — میں صد سخن آغشتہ بخوں زیرِ زباں ہوں
ہوں زردِ غمِ تازہ نہالانِ چمن سے — اس باغِ خزاں دیدہ میں میں برگِ خزاں ہوں

رکھتی ہے مجھے خواہش دل بس کہ پریشاں　　درپے نہ ہو اس وقت خدا جانے کہاں ہوں
خوش باشی و تنزیہ و تقدس تھے مجھے میسر
اسباب پڑے یوں کہ کئی روز سے یاں ہوں

(۴۲)

(غزل قطعہ بند)

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گذار　　کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حال زار
خاک دہلی سے جدا ہم کو کیا یکبارگی　　آسماں کو تھی کدورت سو نکالا یوں غبار
منصب بلبل غزلخوانی تھا سو تو ہے اسیر　　شاعری زاغ و زغن کا کیوں نہ ہووے اب شعار
طائر خوش زمزمہ کنج قفس میں ہے خموش　　چہچہے چڑیاں کریں ہیں صحن گلشن میں ہزار
بلبل خوش لہجہ کے جانے پہ گو غوغائیاں　　طرح غوغا کی چمن میں ڈالیں پھر کیا اعتبار
طائران خوش لب و لہجہ نہیں رہتے چھپے　　ان کے شہرت سے بھرے ہیں قریہ و شہر و دیار
کیا کہوں سوے چمن ہوتا جو میں سرگرم گشت　　پھول گل سب کھلنے لگتے جوش زن ہوتی بہار
شور بس سن کر غزلخوانی کا میرے ہم صفیر　　غنچہ ہو آتے جو ہوتا آب و رنگ شاخسار
خوش نوائی کا جنھیں دعویٰ تھا رہ جاتے خموش　　جن کو میں کرتا مخاطب ان کو ہوتا افتخار
بعضوں کو رشک قبول خاطر و لطف سخن　　بعضوں کا سینہ فگار اور بعضوں کا دل داغدار
ربط کا دعویٰ تھا جنکو کہتے تھے مخلص ہیں ہم　　جانتے ہیں ذات سامی کو ہی ہم سب خاکسار
بندگی ہے خدمت عالی میں ہم کو دیر سے　　کر رکھی ہے جان اپنی ہم نے حضرت پہ نثار

برگِ پاں سے بھی کیا نہ ایک نے ٹک ہم کو یاد — نامہ و پیغام پرسش یہ مراتب درکنار
رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں مری دونوں سفید — بسکہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے انتظار
خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے — آویں گے گھر بار کی تیسرے خبر کو بار بار
جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہے کا پاس — آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار
اب بیاباں در بیاباں ہے مرا شور و فغاں — گو چمن میں خوش کی تم نے میری جائے نالہ زار
اک پرافشانی میں بھی ہے یہ وطن گلزار سا — سامعوں کے سینے اب نالوں سے ہوویں گے فگار
منہ پر آویں گے سخن آلودۂ خونِ جگر — کیونکہ یارانِ زماں سے چاک ہے دل جوں انار
لب سے لیکر تا سخن ہیں خوں چکاں شکوے بھرے — لیک ہے اظہار ہر ناکس سے اپنا ننگ و عار
چپ بھلی گو تلخ کامی کھینچنی اس میں پڑے — بیت بحثی طبع نازک پہ ہے اپنے ناگوار
آج سے کچھ بے حسابی جور کن مردم نہیں — ان سے اہلِ دل سدا کھینچے ہیں رنج بیشمار

بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی دے یہ حرف میرؔ
کاہ کے جا ہے نہیں کہسار ہوتے بے وقار

مصحفی

(۱)

نظارہ کروں دہر کی کیا جلوہ گری کا — یاں عمر کو وقفہ ہے چراغِ سحری کا
کیا لطف مقام ان کو جو مشتاقِ عدم ہیں — دل کوچ میں رہتا ہے ہمیشہ سفری کا
کیا بھیجئے قاصد کو وہاں کوچہ میں جس کے — جبرئیل کو مقدور نہیں نامہ بری کا
تربت پہ مری برگِ گلِ تازہ چڑھائے — احسان ہے مجھ پر یہ نسیمِ سحری کا

بندہ ہے ترا مصحفیِ خستہ کو یارب
محتاج طبیبوں کی نہ کر چارہ گری کا

(۲)

رہنے دو مرے سینۂ و پیکاں کو نہ چھیڑو — از بہرِ خدا ناوکِ مژگاں کو نہ چھیڑو
بس رحم کرو چاک گریبان پہ میرے — یارو کوئی اس شوخ کے داماں کو نہ چھیڑو
اس دھوم سے آئی ہے بہار اب کی کہ ہر سو — قدغن ہے کہ برگِ گلِ ریحاں کو نہ چھیڑو
یہ وہ نہیں ناسور کہ ہو بند کسی سے — بہنے دو مرے دیدۂ گریاں کو نہ چھیڑو
روٹھا ہے جو مجھ سے تو مناؤں گا ابھی پھر — جاؤ کوئی مجھ تازہ پریشاں کو نہ چھیڑو
کیا فتنہ نہیں ہے وہ کہ تہمت نہ لگائے — ہر چند کہ اس فتنۂ دوراں کو نہ چھیڑو
اے ناصحو کچھ فکر کرو چاک جگر کی — بیہودہ مرے چاک گریباں کو نہ چھیڑو

دکھتا ہے یہ دل اور بھی فریاد کرے گا   مت ہاتھ لگاؤ دلِ ناداں کو نہ چھیڑو
رہنے دو پڑا مصحفیؔ خاک بسر کو
اس غمزدہ و بے سروساماں کو نہ چھیڑو

انشاءاللہ خاں

(۱)

توڑوں گا خُمِ بادۂ انگور کی گردن   رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن
خودداری کی بن شکل انفعائے انا الحق   نت چاہتے ہیں ایک نئے منصور کی گردن
کیوں ساقیِ خورشید جبیں کیا ہی نشے ہوں   سب یوں ہی چڑھا جاؤں مئے نور کی گردن
یوں پنجۂ مژگاں میں پڑا ہے یہ مرا دل   جوں چنگلِ شہباز میں عصفور کی گردن
بیٹھا ہے جہاں پاس سلیماں کے آصف   وہاں کیوں نہ جھکے قیصر و فغفور کی گردن
اے مست یہ کیا قہر ہے غفلتِ سرِ خُم سے   کیوں تو نے صراحی کی بھلا چور کی گردن
جب کشتۂ اُلفت کو اُٹھایا تو الم سے   بس ہل گئی اس قاتلِ مغرور کی گردن
بے ساختہ بولا کہ ارے ہاتھ تو ٹک دو   ڈھلکے نہ مرے عاشقِ مغفور کی گردن
حاسد تو ہے کیا چیز کرے قصد جو انشاؔ
تو توڑ دے جھٹ بلعم باعور کی گردن

(۲)

کیا چیز بھلا قصر فریدوں مرے آگے — کانپے ہے پڑا گنبد گردوں مرے آگے
مرغان اولی اجنحہ مانند کبوتر — کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے
مطلق متوجہ نہ ہوں ہر چند گذر جائیں — صد قافلۂ لیلی و مجنوں مرے آگے
تف بھی نہ کروں لادکے گو گاؤ زمیں پر — لاوے کوئی گنجینۂ قاروں مرے آگے
مُنہ دیکھو جو نقارچیِ پیل فلک بھی — نقارے بجا کر کرے ڈوں ڈوں مرے آگے
ہوں وہ جبروتی کہ گروہ حکما سب — چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں — بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے
بیتابیِ دل دیکھ کے سیماب سے بھر جائے — کف لاوے اگر موجۂ جیحوں مرے آگے
کیا آکے ڈراوے مجھے زلفِ شبِ یلدا — ہے دیو سفیدِ سحری جوں مرے آگے
وہ مار فلک کاہکشاں نام ہے جس کا — کیا دخل جو بل کھا کے کرے فوں مرے آگے
ہے مرحلۂ خم غدیر آنکھوں میں چھایا — کیوں چھپ نہ رہے خم میں فلاطوں مرے آگے

میں شاہ خراساں کے غلاموں میں ہوں انشا
مصروف رہے موسی و ہاروں مرے آگے

ناسخ

(۱)

ہے نازکی سے قامتِ جاناں سمن کی شاخ   میں سوزِ عشق سے ہوں چنارِ کہن کی شاخ
ظالم کو بعد مرگ بھی ہے ظالموں سے ربط   خنجر کا دستہ کیوں نہ بنے کرگدن کی شاخ
رکھی چھری جو ناز سے اُس نے تہِ ذقن   سب کو گماں ہوا کہ ہے سیبِ ذقن کی شاخ
دکھلائے اپنے فندقِ پا کی جو تو بہار   پابوس کو چمن میں جھکے نسترن کی شاخ
مرتا ہوں میں کسی کی نزاکت سے ڈستو   بھر خرید میں بھی ہوں نازک بدن کی شاخ
وصفِ صباحتِ رُخِ جاناں اگر لکھوں   درکار ہو برائے قلم نسترن کی شاخ

معنی ثمر حروف ورق صنعتیں ہیں گُل
ناسخ ہے فکر کلک نہالِ کہن کی شاخ

(۲)

دل میں پوشیدہ تپِ عشق بتاں رکھتے ہیں   آگ ہم سنگ کے مانند نہاں رکھتے ہیں
تیری سواری تری دیکھیں تو ہوں وہ گردباد   ہاتھ میں صبر کی جو لوگ عناں رکھتے ہیں
بزمِ جاناں میں کبھی بات نہ نکلی مُنہ سے   ہم بھی گو شمع کے مانند زباں رکھتے ہیں
ایک مدت سے تمنا ہے ترے وحشی کی   سروہاں پٹکوں صنم پاؤں جہاں رکھتے ہیں
مثلِ پروانہ نہیں کچھ زر و مال اپنے پاس   ہم فقط تجھ پہ فدا کرنے کو جاں رکھتے ہیں

طائرِ روح کو کر دیتے ہیں دم میں بسمل تیر رکھتے ہیں پری رو نہ کماں رکھتے ہیں
ہو گیا زرد پڑی اس پہ جہاں تیز نظر یہ عجب گل ہیں کہ تاثیر خزاں رکھتے ہیں
تازگی ہے سخنِ کہنہ میں یہ بعد وفات لوگ اکثر مرے جینے کا گماں رکھتے ہیں

عوضِ مُلک جہاں مُلکِ سخن ہے ناسخ
گو نہیں حکم رواں طبع رواں رکھتے ہیں

آتش

(۱)

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے زمیں جس کی چہارم آسماں ہے
خدا پنہاں ہے عالم آشکارا نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے
تکلف سے بری ہے حسن ذاتی قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
برنگِ بو ہوں گلشن میں مَیں بلبل بغلِ غنچہ کی میرا آشیاں ہے
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے
بہت آتا ہے یاد اے صبر مسکیں خدا خوش رکھے تجھکو تو جہاں ہے
یقیں ہوتا ہے خوشبوئی سے اِس کی کسی گلرو کا غنچہ عطرداں ہے
سحر ہووے کہیں شبنم کرے کوچ گل و بلبل کے در یا درمیاں ہے
سعادت مند قسمت پر ہیں شاکر ہما کو مغز بادام استخواں ہے

جرس کے ساتھ دل رہتے ہیں نالاں — مرے یوسف کا عاشق کارواں ہے
نہ کہہ رندوں کو حرفِ سخت واعظ — درشت اہلِ جہنم کی زباں ہے

قدِ محبوب کو شاعر کہیں سرو
قیامت کا یہ اے آتشؔ نشاں ہے

(۲)

دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے — کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا — بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں — گُل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے
غم و غصہ و رنج اندوہ و حرماں — ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
تپِ ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں — جُدا پوست سے اُستخواں کیسے کیسے
عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن — لُٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے
نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
بہار آئی ہے نشہ میں جھومتے ہیں — مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے
توجہ نے تیری ہمارے مسیحا! — توانا کئے ناتواں کیسے کیسے
تری کلکِ قدرت کے قربان آنکھیں — دکھائے ہیں خوش رو جواں کیسے کیسے
کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے — مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے
دل و دیدۂ اہلِ عالم میں گھر ہے — تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد   خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے
سُنیں گے تمھارے سخن کو جو آتش
تو خوش ہونگے پیر و جواں کیسے کیسے

ذوق

(۱)

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا   جو خود ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا   اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا   نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے   الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا   کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا
مرے آنسو ہمیشہ ہیں برنگِ لعل غرقِ خوں   جو غوطہ آب میں تو نے گُہر مارا تو کیا مارا
جگر دل دونوں پہلو میں ہیں اب ہم اسکو کیا جانیں   ادھر مارا تو کیا مارا اُدھر مارا تو کیا مارا
دلِ سنگین شیریں پر بھی ضرب کوہکن پہنچے   اگر تیشہ سرِ کہسار پر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں   اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

دلِ بدخواہ میں تھا مارنا یا چشم بدبیں میں
فلک پر ذوق تیرِ آہ گر مارا تو کیا مارا

(۲)

جس انساں کو سگِ دنیا نہ پایا   فرشتہ اُس کا ہم پایا نہ پایا
مقدر ہی پہ گر سود و زیاں ہے   تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا
سراغِ عمرِ رفتہ ہو تو کیونکر   کہیں جس کا نشانِ پا نہ پایا
رہِ گم گشتگی میں ہم نے اپنا   غبارِ راہ بھی عنقا نہ پایا
رہا ٹیڑھا مثالِ نیشِ کژدم   کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا
احاطہ سے فلک کے ہم تو کب کے   نکل جاتے مگر رستا نہ پایا
چراغِ داغ لیکر دل میں ڈھونڈھا   نشاں پر صبر و طاقت کا نہ پایا
وہ از خود رفتہ ہوں جس کو خودی نے   خدائی میں اگر ڈھونڈھا نہ پایا
کہے کیا ہائے زخمِ دل ہمارا   دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم   غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا

نظیر اُس کا کہاں عالم میں اے ذوق
کہیں ایسا نہ پائے گا نہ پایا

غالب

(۱)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا — اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیمکش کو — یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح — کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے — مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا — نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا — جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(۲)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں — روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رولائے کیوں
دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں — بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں
جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں مُنہ چھپائے کیوں

دشنۂ غمزہ جانستاں ناوکِ ناز بے پناہ — تیرا ہی عکسِ رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

حسن اور اُس پہ حسنِ ظن - رہ گئی بوالہوس کی شرم — اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی — جس کو ہو دین و دل عزیز اُسکی گلی میں جائے کیوں

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں

اسیر

(۱)

جادۂ راہِ بقا غیر از فنا ملتا نہیں — بے خودی جب تک کہ انساں میں خدا ملتا نہیں

جستجو رہتی ہے دولت کا پتا ملتا نہیں — سر پھرا کرتا ہے پر ظلِ ہما ملتا نہیں

ہے تجسس شرط یاں ملنے کو کیا ملتا نہیں — پر کہیں دنیا میں صادق آشنا ملتا نہیں

دے جو محتاجوں کو دینا ہو کہ ہے فرصت ابھی — ڈھونڈھتا ہے خاک میں قاروں گدا ملتا نہیں

المدد موقع مدد کا ہے یہ اے بادِ مراد — ڈوبتی ہے اپنی کشتی ناخدا ملتا نہیں

گمرہی خود منزلِ مقصود کی ہے رہنما — خضر بھل جاتے ہیں جسکو راستہ ملتا نہیں

گلشنِ ہستی میں یہ آبِ مروت کا ہے قحط — نخل کو پانی پئے نشو و نما ملتا نہیں

مشکلِ آئینہ نہ پوچھو میری حیرت کا سبب — خلق صورت میں ہے معنی آشنا ملتا نہیں

حق اگر پوچھو تو یہ بھی نسخۂ اکسیر ہے چھانتے ہیں خاک سب مضموں نیا ملتا نہیں

روکے مانگ اللہ سے چاہے جو وسعت رزق کی شیر دایہ طفل کو بھی بے بُکا ملتا نہیں

شاعرانِ حال کیا مضمونِ نو پائیں اسیر
ڈھونڈھتے ہیں پر تخلص بھی نیا ملتا نہیں

(۲)

تنگیِ دل غم کو آخر باعثِ راحت ہوئی اس قدر سمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی

چھین لیگا کس طرح اس کو زبردستی کوئی مفلسی بھی کیا کسی زردار کی دولت ہوئی

تیغِ قاتل کو دیا سر جان عزرائیل کو تنگدستی میں کہاں قائم مری ہمت ہوئی

میرے مرنے سے کٹا زنداں میں کس کس کا عذاب ہتکڑی کو طوق کو زنجیر کو فرصت ہوئی

رنگ یکرنگی دورنگی نے کیا کیا آئینہ رفتہ رفتہ میری صورت یار کی صورت ہوئی

بھوک کا غم بھوک میں کھایا کئے ہم عمر بھر جب ہوئی ہمکو تلاشِ رزق بے منت ہوئی

آئینہ دیکھا اگر پیری میں یاد آیا شباب آگے صورت اور تھی اب اور ہی صورت ہوئی

جتنے کامل ہیں فنا کے بعد ہے اُن کی نمود خلق سے معدوم جب عنقا ہوا شہرت ہوئی

بعد مدت قید سے محبوس چھوٹا اے اسیر
جسم خاکی سے جو نکلی روح کو راحت ہوئی

نسیم لکھنوی

(۱)

منت دلا کسی کی نہ اصلا اُٹھائیے　　مر جائیے نہ نازِ مسیحا اُٹھائیے
جلیے مگر حنا رکے پنجہ کی طرح سے　　دستِ دعا نہ بہرِ تمنا اُٹھائیے
کس کا حجاب کیسی حیا اور کہاں کی شرم　　پردہ سے ہاتھ ہاتھ سے پردہ اُٹھائیے
چاہ اپنی مانتا نہیں وہ بے یقیں اگر　　قرآں کا جامۂ پہنے گنگا اُٹھائیے
اے ضعف زرد روئی سے تو نے کیا خفیف　　طاقت تھی کہربا کے تنکا اُٹھائیے
کیا کیا حسین تجنے ہوئے مٹی میں مل گئے　　افشاں سمجھ کے خاک سے ذرہ اُٹھائیے
دیکھا ہو یا چھوا ہو جو وہ روئے آتشیں　　پلکوں سے آگ ہاتھ سے گولا اُٹھائیے

ہم سے سوا ہو غیر ہوا خواہ واہ واہ
ہوتے ہوئے نسیم کے پنکھا اُٹھائیے

(۲)

گر نہ جیتے جی مرے کام آئے گی　　کیا یہ دنیا عاقبت بخشائے گی
صندلی رنگوں سے مانا دل ملا　　دردِ سر کی کس کے ماتھے جائے گی
خاکساروں سے نہ رکھ اتنا غبار　　اے فلک بدلی تری ہو جائے گی
بزم میں آئے گا گر وہ شعلہ رو　　شمعِ محفل دیکھ کر جل جائے گی

جب ملے دو دل محل پھر کون ہے بیٹھ جاؤ خود میاں اُٹھ جائے گی
گرمی ہے اس گلستاں کی ہوا شاخ گل اک روز جھونکا کھائیگی

جاں نکل جائے گی تن سے اے نسیم
گل کو بوئے گل ہوا بتلائے گی

خواجہ وزیر

(۱)

دے مجھے خلعت شہادت کا خدا کے واسطے تیر کا دستہ منگا میری قبا کے واسطے
شاخ گل نکلی ہے تیرے کفش پا کے واسطے باغ میں کنگھی اگی زلف دوتا کے واسطے
ہم فقیروں کی نہ کھائے سگ بھی ہرگز استخواں ہڈیاں ہیں بادشاہوں کی ہما کے واسطے
پیرہن بھی گر رنگے اپنا تو مٹی میں رنگے خاکساری چاہئے اتنی گدا کے واسطے
کر دیا ہے غم نے کاہیدہ مجھے کیا ہے عجب استخواں تن سے جو نکلیں کہربا کے واسطے
اس کا سنگ آستاں کیونکر چھٹے ہم سے جنوں سنگ مقناطیس ہے زنجیر پا کے واسطے
ہوں وہ پیاسا اشک بھر کر اپنی آنکھوں میں پیوں ہاتھ پھیلاؤں نہیں آب بقا کے واسطے
آرزو بس یہ رہے ہرگز نہ ہو کچھ آرزو گر دعا مانگے تو ترک مدعا کے واسطے
ہو گیا اربح آنکھیں جن کو ہوا آرائش پسند ہاتھ بندھوائیں حسینوں نے حنا کے واسطے

جو کہ قانع ہو وہ بچ جائے۔ فریب نفس سے　　دام کب صیاد پھیلائے ہما کے واسطے
اسقدر تعظیم کا عادی ہوں گر دیکھوں کبھی　　استخواں تن سے نکل آئے ہما کے واسطے

بخشدے اپنے کرم سے اے خدا جرم وزیر
مصطفےٰ کے واسطے اور مرتضےٰ کے واسطے

(۲)

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں　　ہزار بار جو یوسف سے بکے غلام نہیں
بھلا ہو کیا دلِ زاہد میں سوز الفتِ حق　　کبھی جلانے کے قابل چراغ خام نہیں
گلا ہے چشم سخن گو سے خامشی کا ہمیں　　دہن کے ہونے نہ ہونے میں کچھ کلام نہیں
تو آفتاب ہے زلف سیہ نہیں تو نہ ہو　　چراغ روز کو کچھ احتیاج شام نہیں
عزیز عاشقِ گمنام کا ہے دل اُس کو　　نگیں وہ ہاتھ میں رکھتا ہے جسمیں نام نہیں
نہ ہنس رولائیگا تجھکو خمار بادۂ عیش　　مے نشاط تو اس بزم میں مدام نہیں
پھنسے نہ قید تعلق میں جو کہ ہے آزاد　　چمن میں طائر نگہت اسیر دام نہیں
وہ دل ہو چاک نہیں عشق کا نشان جسمیں　　نگیں وہ ٹوٹے محبت کا جسمیں نام نہیں
مے دو آتشہ کفر و دیں سے خلق ہے مست　　مگر شراب یہ ہم مشرب حرام نہیں

پکار اپنا گدا کہکے مجھکو اے شہ حسن
فقیر ہوں ترے در کا وزیر نام نہیں

زندگانی انسان

(مشرقی دُھن)

زندگی اپنی یاں تو خواب سی ہے
خواب سی کیا خیال خواب سی ہے

زندگانی ہے جیسے نقش بر آب
بیٹھتی اُٹھ کے موج آب سی ہے

عمر اپنی ہے مثل ریگ رواں
خوب دیکھا تو یہ سراب سی ہے

اُڑی جاتی ہے ایک جھونکے سے
ہیئتِ زندگی سحاب سی ہے

ٹوٹے جیسے کہ کاتکی تارے
زندگی ثاقب ہے شہاب سی ہے

اُٹھتے ہی بجھتی ہے یہ چنگاری
شررِ عمر برق تاب سی ہے

گھڑی ساعت قیام و سر پہ سفر
زندگی کرتی پا تراب سی ہے

کیا رکھیں سر میں ہم ہوائے غرور
اپنی ہستی تو اک حباب سی ہے

چھوڑ حرص و ہوا کو اے پنڈت
زندگی اس سے اک عذاب سی ہے

زندگانی انسان (مغربی دھن)

کون کہتا ہے ہماری زندگانی خواب ہے
روح پژمردہ ہے جو نت دیکھتی یہ خواب ہے

زندگی حق ہے اور حق نے دی ہے طاعت کیلئے
خوش نصیب ہم ہیں کہ دنیا عالم اسباب ہے

روح انساں کو بقا ہے کہتے ہیں فانی ہے تن
روح بس لیتی نیا پیکر یہ آب و تاب ہے

اپنے اس لمبے سفر میں ہے جو منزل گور کی — اس سے وا ہوتا دوامی راحتوں کا باب ہے

عیش و غم مقصود اپنا کب ہے مطلب ہے تو یہ — آگے کچھ بڑھتے چلیں کیا اس میں استعجاب ہے

ہے طویل علم و ہنر کوتہ ہے اپنی عمر لیک — جو غنیمت سمجھے یہ فرصت وہ بہرہ یاب ہے

رزمگاہِ دہر میں بڑھ کر جو مارے ہاتھ دو — وہ ہی ہے مردِ خدا بیشک نشیخ و شاب ہے

زندگیاں کُل اکابر کی ہیں دکھلاتی ہمیں — لُطف کی یاں زندگی ایک امرِ عالمتاب ہے

وادیٔ بے آب میں رہرو کے ہیں نقشِ قدم — ان سے لے ڈھارس اگر وہ تشنہ و بیتاب ہے

بحرِ عالم کے تلاطم میں یہی روشن منار — ہیں بچاتے بیڑے جن کو خطرۂ گرداب ہے

اس لئے اٹھو کمر باندھو چلو میدان لو — سہہ گیا جو چوٹیں وہ تقدیر پر فتحیاب ہے

کام کرنا فرض ہے بیٹھے نہیں بنتی یہاں — پھل بلا مانگے وہ دے گا اپنا جو وہاب ہے

ہوں گے ہم ناکام گرچاہیں کہ سب کچھ آج ہو

جی کھپانا صبر کرنا یاں کی رسم و داب ہے

قصیدہ گویا

در مدح نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ

برنگِ گُل جسے اب دیکھیے وہ خنداں ہے — بہارِ عیش سے ہندوستاں گلستاں ہے

بنایا ہند کو گلشن بہار نے ایسا — کہ شوق سیر میں سروِ چمن خراماں ہے

بہارِ باغ میں کیا کیا کھلا رہی ہے گُل — شگفتہ غنچہ پہ منقارِ عندلیباں ہے

ریاضِ دہر میں پھیرئے تو سایہ کی صورت — مرادِ دل عقبِ آرزو شتاباں ہے

چمن میں بات جو کیجے تو منہ سے پھول جھڑیں — اب ان دنوں میں یہ فیض بہار بستاں ہے
کہیں ہے آئینے سے صاف تر زمین چمن — کہ اس سے سبزۂ نارستہ تک نمایاں ہے
پڑا ہے عکس یہ پتلی کا وقت نظارہ — جو داغ لالہ میں کہتا ہے عین بہتاں ہے
ہے شوق گل میں عجب رنگ آج گلچیں کا — جو دیکھیے تو گریباں شکل داماں ہے
نسیم جانب گلشن چلی یہ کہتی ہوئی — اگر ہو آتش نمرود دم میں بستاں ہے
ہوا ہے قمری سے نالہ اگر کوئی موزوں — چمن کے فیض سے وہ رشک سرو بستاں ہے
پڑھا ایک مطلع رنگیں غزل کا اے گویا — چمن ہے سبزہ ہے آب رواں ہے جاناں ہے
تو وہ ہے شاہ تن ہند کے لئے جاں ہے — فروغ دیدۂ ایراں چراغ توراں ہے
وہ نخل ہے چمن سلطنت میں قد تیرا — کہ جس میں برگ عدالت ہے بار احساں ہے
ہے تیرے سائے میں شاہا ہر اک قریب و بعید — کہ آفتاب کو نزدیک و دور یکساں ہے
نہیں ہے کچھ تری دریادلی سے نسبت اسے — کہ موج صفحۂ دریا پہ خط بطلاں ہے
ترے قدم سے شہا ملک عیش و راحت میں — دل کشادہ و طبع شگفتہ ارزاں ہے
خیال قیصر و خاقان غاشیہ بردار — ہے مرتبے میں جو دارا وہ تیرا درباں ہے
ہوا ہے جب کہ طلوع آفتاب عدل ترا — کتاں میں ابر کے مانند چاند پنہاں ہے
جو دیکھے سایۂ گرز کو وہیں فرار کرے — ہر ایک شیر میں گویا رم غزالاں ہے
جہاں کو تیغ حوادث سے کس طرح ہو گزند — کہ چار سمت کا چار آئینہ نگہباں ہے
دعائیں دیکے تجھے شب کو سوتی ہے خلقت — ہر ایک در کے لئے دزد مثل درباں ہے

عدو کے قبضے سے بے چھینے تیغ ہاتھ آئے ترا وہ جذبۂ آہن رُبائے فرماں ہے
کماں سے تیر ترا نکلے کیا برائے شکار کہ جو ہے صید وہ قرباں پئے تیر قرباں ہے
بجائے پر نکل آئے ہیں اُستخواں تن سے ہمارے تیر کے ڈر سے یہ صید لرزاں ہے
کیا ہے حکم جو تونے نہ رہنے پائے شراب خُموں کو توڑ کے ہر بادہ کش گریزاں ہے
لگے نہ بحرِ جہاں میں کچھ اُس کا تھل بیڑا کہ بہرِ کشتیِ مے قہر تیرا طوفاں ہے
عوض میں غنچے کے توڑیں گلابیاں گلچیں بہارِ شرع سے ہندوستاں گلستاں ہے
پیالے ٹوٹتے ہیں آپ مثلِ جامِ حباب ترا یہ رعب ہے یہ حکم ہے یہ فرماں ہے
لکھیں جو تختِ مرصع کی تیرے تعریفیں تو خامۂ دو زباں آج گوہر افشاں ہے
لکھوں میں تخت کو اور نگ زرنگارِ سپہر تو اس پہ جلوہ نما شکلِ مہرِ تاباں ہے
جواہر اس میں چمکتے تھے اختروں کی طرح فلک ہے تخت ترا چتر ماہِ تاباں ہے
دُرِ خوش آب میں یاقوت و لعل کا ہے جو عکس بجا ہے کہیئے اگر آب میں چراغاں ہے
ترے سمند کی تعریف کیا بیاں کروں مدام ابلقِ ایام جس پہ قرباں ہے
قدم قدم جو چلے وہ تو سب بگیں کہنے کبھی نظر سے ہے پنہاں کبھی نمایاں ہے
شہا نہیں ہے یہ بے وجہ آسماں پہ ہلال بتاؤں کیا کہ منجم کی عقل حیراں ہے
ترے سمند نے اُڑ کر وہاں جو ماری ٹاپ نشانِ نعل کا نون آج تک نمایاں ہے
کہوں میں فیلِ سیہ مست کو ترے شبِ قدر اور اُس پہ ہودجِ زریں مہِ درخشاں ہے
سوار ہو تو عماریِ فیل میں جو کبھی تو کہیئے برجِ شرف میں مہِ تاباں ہے

یہ جلد رو ہے کہ پل میں فلک سے غائب ہو — اگرچہ ذیل میں وہ مثل چرخ گرداں ہے
دعا کے واسطے گویا اٹھا تو اپنے ہاتھ — صفت کا اس کی بیاں تجھ سے غیر امکاں ہے
الٰہی تا رہے گل سے محبت بلبل — بہار لطف سے جب تک جہاں گلستاں ہے
ریاض دہر میں جب تک رہے گل خورشید — الٰہی تا کہ گل ماہتاب تاباں ہے
رہیں فلک پہ یہ جب تک ثوابت و سیار — زمیں پہ تا کہ یہ گرداں سپہر گرداں ہے
الٰہی تا رہے اورنگ زرنگار سپہر — زمیں یہ تا شہ خاور کے زیر فرماں ہے

رہے مدام تو باتخت و تاج و جاہ و حشم
کیا کرے تجھے خلقت یہ شاہ و شاہاں ہے

قصیدہ منیر در مدح وکٹوریا قیصرہ ہند

ہے بخشش خدیو جہاں پرور آب میں — برج قمر ہے ہر صدف گوہر آب میں
روشن ہے فیض شاہ سے شمشیر و آئینہ — دُرِ خوش آب بنتے ہیں جوہر آب میں
دریا فروغ جود سے پُرنور ہو گیا — ہے ہر حباب برج مہ انور آب میں
کیا کیا ہیں فیض سکۂ سلطان بحر و بر — زر بخش خاک و آب وہ گوہر آب میں
دیکھے سے دور کیوں نہ ہو آسیب مفلساں — پیتے ہیں گھول گھول کے نقش زر آب میں
لب تشنگان وادیِ افلاس کے لئے — گھلوا دیا ہے شاہ نے آب زر آب میں

شاہنشہِ جہاں کی عدالت ہے اسقدر — مشکل نہیں جو آگ بنائے گھر آب میں
وہ عدل ہے کہ ربطِ نقیضین ہو عیاں — ہر قطرہ آگ میں رہے ہر اخگر آب میں
دیکھیں یہ عدل تو ضعفا سے قوی ڈریں — مچھلی کے پر مگر کو نہیں خنجر آب میں
اس عدل میں بھی فیض ہے ایسا بھرا ہوا — مونگا بنے جو آگ رہے دم بھر آب میں
غالب ہوئے ہیں سخت دلوں پر صفا پرست — آہن چھپاتے رہتے ہیں آہن گر آب میں
گھوڑے کی کیا سبک روی یاں میں رقم کروں — مارے حباب کو یہ اگر ٹھوکر آب میں
سم میں تری نہ آئے نہ ٹوٹے حبابِ بحر — عکسِ خیال ہو یہ ہوا بسکہ آب میں
کیا مدح فیلِ خاصۂ حضرت رقم کروں — خشکی میں طور مرکبِ آبی ہر آب میں
ہے زیورِ طلا میں سراپا لدا ہوا — یہ آبِ زر میں قصر ہے قصرِ زر آب میں
موتی ٹکے ہیں جھول میں ایسے بڑے بڑے — پایا ہے جن کے دانوں نے بحر و بر آب میں
شمشیرِ بے پناہ شہنشاہ سے عدو — خشکی میں امن پائے نہ ہو جانبر آب میں
دریا میں سایہ ڈالے جو شمشیرِ شعلہ ور — موجیں رواں ہوں تیغِ اجل نگر آب میں
بڑھ جائے آبروئے قصیدے کے ختم سے — ڈوبا رہوں میں مثلِ گہر یکسر آب میں
سرسبز ہو ہر ایک ہوا خواہِ سلطنت — عمرِ عدو کے غرق رہیں دفتر آب میں
جبتک ہوں آسمان و زمیں ماہ و آفتاب — جبتک کہ لعل کان میں ہو گوہر آب میں
جبتک کہ چوبِ خشک سے کشتی بنا کرے — جبتک کہ کشتیوں کے رہیں لنگر آب میں
تا ہو حباب خیمۂ ہستی میں میہماں — جبتک طنابِ موج کھنچے یکسر آب میں

افزوں ہو عمر و دولت سلطاں خدا کرے — الیاسؑ بر میں خضرؑ صفا پرور آب میں
خشکی میں ہوں عروج سلیماں کے مرتبے — جاری ہو حکم صورتِ اسکندر آب میں
مثلِ نجوم فوج سمندر میں ہو رواں — پیدا ہو صورتِ فلکِ اخضر آب میں
شاداں ہوں بحر و بر میں ہوا خواہ بادشاہ
بدخواہ آپ ڈوب مریں یکسر آب میں

خمسہ میر درد۔ بہارِ دنیا

باطن سے جنھوں کو کچھ خبر ہے — ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہے
پتھر میں عشق کا اثر ہے — اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھو تو شرر ہے
خاموش ہو ترک گفتگو کر — باطن کی صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر — آئینہ دل کو رو بہ رو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے
ہستی نے کیا ہے گرم بازار — لیکن ہے یہاں نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم کو زنہار — آہستہ گذر میان کہسار
ہر سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہد گل اور زُلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

نزدیک و بعید ہے برابر مت ہو غمِ یاس سے مکدر
آغشتۂ وہم ہے سراسر مانند نگہہ نکل تو باہر
تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے

ہر حجب میں کبریا ہے محجوب ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی ہے نہیں جہاں میں معیوب آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

مکائدِ اہلِ دنیا۔ از نظیر

کیا کیا فریب کہئے دُنیا کی فطرتوں کا مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجئے دشمنوں کا
ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گردن کو ہے اُچکا تو چور رات میں ہے نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات بات میں ہے
اسکی بغل میں گپتی تیغ اس کے ہاتھ میں ہے وہ اسکی فکر میں ہے یہ اسکی گھات میں ہے

ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا ۔
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

عیار اور چھچھورا نت اپنے کار میں ہے — اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
قزاق جس جگہ پر فکر سوار میں ہے — پیادہ غریب اُس جا پھر کس شمار میں ہے

ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

ناداں کو بلا کر ایک بنگ کا پیالا — کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالا
دانا ملا تو اس میں گھولا دھتورا کالا — ہوتے ہی غافل اُس کو پھانسی میں کھینچ ڈالا

ہشیار یار میرنے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اوز مال دوستوں کا

پیسے روپے اشرفی یا سیم و زر کا پترا — پھر سیت گھر میں لاوے ہے کون ایسا چترا
سیان چرک کھائے یہ فن ہے وہ دھنترا — کترے ہے جیب چڑھ کر ہاتھی چڑھے جیب کترا

ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

چڑیا لے دیکھ غافل کیڑا اُدھر گھسیٹا — کوے نے وقت پا کر چڑیا کا پر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوّے کا سر گھسیٹا — جو جس کے ہاتھ آیا اُس نے ہی دھر گھسیٹا

ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

صیاد چاہتا ہے ہو صید کا گذارا　　اور صید چاہے دانہ کھا کر کرے کنارا
قابو چڑھا تو اُس کا دانہ وہ کھا سدھارا　　اور کچھ بھی چال چوکا تو وہیں جال مارا
ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہے شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے　　گیدڑ کی دھن لگا وے خود شیر کو ٹھکانے
کیا کیا کرے ہیں باہم مکر و دغا بہانے　　یاں وہ بچا نظر اب جس کو رکھا خدا نے
ہشیار یار میرے یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

مذمت شراب - از مشتاق

خوناب دل کو صرف مدادِ قلم کروں　　پھر خواریِ شراب کا مضموں رقم کروں
کس طرح اس بلا کا میں رنج والم کروں　　تحریر اس کا کون سا جور و ستم کروں
یہ آب وہ ہے جس نے جگر چاک کر دیئے
یہ آگ وہ ہے لاکھ کے گھر خاک کر دیئے

ظاہر میں نوش اور یہ باطن میں زہر ہے　　حق تو یہ ہے جناب الٰہی کا قہر ہے
طوفاں وہ ہے کہ جس سے تلاطم میں دہر ہے　　برباد اس کے ہاتھ سے ہر ملک و شہر ہے
لگ جائے مُنہ تو شاہ کو آخر گدا کرے
بندوں کو اس بلا سے جدا بس خدا کرے

شعلہ ہے یہ شرر ہے نہیں یہ شراب ہے پہلے ہی شر ہے۔ نام ہی اس کا خراب ہے
سوزش سے بادہ نوش کا دل تک کباب ہے ہر دم طلب ہے پانی کی مٹی خراب ہے
خوار و ذلیل آبرو کیا خاک رہ گئی
چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور بہ گئی
ناگن ہے اس سے دور رہو یہ نہ کاٹ کھائے ہے جونک خون جسم و جگر یہ نہ چاٹ جائے
آئے جو دم میں تیغ اجل ملکے گھاٹ جائے فولاد بھی اگر ہو تو باڑھ اسکی کاٹ جائے
ہے آگ جانو قلب و جگر اور دماغ کو
ٹھنڈا کرے گی روح بشر کے چراغ کو

فضولی و اسراف۔ از مشتاق

رباعی

کب تک اس راز دل کو پنہاں کیجے تا چند یہ ضبط آہ و افغاں کیجے
قلت تو معاش کی ہو اولاد کثیر کس بات کا چاؤ کس کا ارماں کیجے

مسدس

ہو جس کسی کے ایک فضولی کیا کرے حضرت اگر کسی کے کئی ہوں وہ کیا کرے
نادار کیا امیر بھی ہوتا گدا کرے قاروں کا گنج بھی نہ کبھی اکتفا کرے
ہم پر یہ رحم خالقِ ارض و سما کرے
اسراف کی بلا سے جدا بس خدا کرے

اپنا یہ دھن نہیں ہے پرایا یہ مال ہے — بیچاری لڑکیوں کا بھی یہاں کا حال ہے
لڑکی دُرِ خوش آب ہے لڑکا جو لال ہے — دونوں ثمر ہیں گل ہے یہ وہ نونہال ہے

نافہمی و فضولی کے اوپر خدا کی مار
جو پھول ہو وہ آنکھوں میں کھٹکے مثالِ خار

دونوں ظہورِ قدرتِ ربِ جہاں ہیں یہ — گلدستۂ حدیقۂ کون و مکاں ہیں یہ
نورِ بصر ہیں باعثِ آرامِ جاں ہیں یہ — دونوں ہی والدین کے نام و نشاں ہیں یہ

ناحق کا رنج آپ کو یہ بے سبب ہوا
لڑکی اگر ہوئی بھی تو پھر کیا غضب ہوا

اتنا نہ اس کے واسطے رنج و الم کرو — خالق نے عقل دی ہے فضولی کو کم کرو
اے منعمو! نمود نہ جاہ و حشم کرو — اپنے غریب بھائیوں پہ بھی کرم کرو

بیجا یہ زعمِ دولت و ثروت کہاں تلک
تعلیم و تربیت سے یہ غفلت کہاں تلک

تقدیر کے لکھے کی شکایت فضول ہے — بندے کو جو رضائے خدا ہو قبول ہے
لے کام عقل سے یہی اصل الاصول ہے — انجامِ نیک اسی کی بدولت حصول ہے

کھلتے ہیں جتنے پھول چمن میں کھلیں گے سب
جتنے کہ پھل نصیب میں ہونگے ملیں گے سب

رشوت ستانی - از ہجر

اے سوئے قلم صورتِ معنی کو دکھا دے — اے حسن بیاں یوسف ثانی کو دکھا دے
اے طبع رواں اپنی روانی کو دکھا دے — اے لطف سخن سحر بیانی کو دکھا دے
ہاں ہجر پھڑک اٹھیں یہ اعجاز بیاں ہو
اعجاز مسیحا دمِ تقریر عیاں ہو

بھیو دیں مخلوق میں ہاں تیز قلم کر — بیچارے غریبوں پہ توجہ کوئی دم کر
تحریر میں رشوت کے مضامین رقم کر — بگڑیں جو عدو سورۂ اخلاص کو دم کر
سائل کی مصیبت کی تو تصویر دکھا دے
آہِ دلِ مظلوم کی تاثیر دکھا دے

ایماں کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت — چھیدے جو جگر عدل کا وہ تیر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت — ظالم بھی ہو قابو میں وہ تسخیر ہے رشوت
رشوت بھی وہ ڈائن ہے کہ جنتر نہیں جس کا
رشوت ہی وہ ناگن ہے کہ منتر نہیں جس کا

رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام ڈبویا — رشوت ہی نے تحقیر کا یہ تخم ہے بویا
رشوت ہی سے اعزاز ہمارا گیا کھویا — رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا
بے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بھنور میں

راشی غضب و قہر خدا سے نہیں ڈرتے   افسوس عدالت کی سزا سے نہیں ڈرتے
اللہ رے ستم جور و جفا سے نہیں ڈرتے   صد حیف غریبوں کی بکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

بے زر کے دیے کام ہے مشکل سے نکلتا   قسمت میں جو لکھا ہے وہ ٹالے نہیں ٹلتا
اس دینے سے گو دل ہے ہر اک شخص کا جلتا   پابندیِ قانون سے کچھ بس نہیں چلتا
رشوت کا جو لے نام وہ فوراً ہی دھرا جائے
ثابت نہ ہو گر جرم تو پھر خود ہی سزا پائے

حالت پہ غریبوں کے چلا آتا ہے رونا   آرام سے گھر جن کو میسر نہیں سونا
رشوت کے لیے بیچتے پھرتے ہیں بچھونا   برباد اسی طور بدا ہے انھیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دیئے رہ نہیں سکتے

سائل تن تنہا ہے ستمگار ہزاروں   دراصل انار ایک ہے بیمار ہزاروں
اک جان کے خاطر ہیں طلبگار ہزاروں   اک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں
پھر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کیونکر نہ بھلا روپیہ برباد کرے وہ

چپراسی بھی بے نذر ٹھہرنے نہیں دیتے   اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پیدل کو کبھی پاؤں بھی دھرنے نہیں دیتے   حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے

ملتی نہیں مہلت کوئی دم انکے ستم سے
ڈاکو کی طرح لوٹتے ہیں روپیہ ہم سے

اے راشیو یکساں نہیں رہتا ہے سدا حال — دنیا میں ہے ادبار کبھی اور کبھی اقبال
نکلے نہ کبھی ناک کے رستے یہ زر و مال — یہ طرز معیشت نہ بنے جان کا جنجال
زنجیر طلا پاؤں کی زنجیر نہ ہو جائے
ہنسلی یہ کہیں طوق گلوگیر نہ ہو جائے

اے ہموطنو! ہے یہ دم شکر گذاری — ملجائے گا پھل تمکو ریاضت کا تمہاری
ہاں ہتجر دعا مانگ کہ یا حضرت باری — محفوظ و سلامت رہے سرکار ہماری
مُنہ مانگی مُرادیں جو ہماری ہیں وہ ملجائیں
حاصل ہو خوشی باچھیں ہر اک شخص کی کھلجائیں

صفت تلوار - از انیس

ہے وصف تیغ میں سپر انداختہ زباں — کٹ کٹ کے حرف آتے ہیں لب پر دم بیاں
مضموں ہے مثل برق جہندہ شرر فشاں — پیدا صریر کلک سے ہے شور الاماں
کیونکر کوئی لکھے جو مجال رقم نہ ہو
خامہ کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول — جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں میں تول
مفتاح فتح ہے در نصرت کو اس سے کھول — وہ تیغ ہے خراج صفاہاں ہے جسکا مول

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے
دل سوز و شعلہ خو و سر انداز و جاں گداز
لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز
خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
کج اُس کی ہے پسند جہاں گو سجی نہ ہو
معشوق پن نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو
تیغہ وہ اُس کا اور وہ باریکیِ خمیر
کس بل میں بے مثال اصالت میں بے نظیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر
گیتی نورد باد یہ پیما فلک مسیر
اُسکا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے جہاں وہ چلی نہیں
چھوڑے اگر شعاع کی چلمن تنا آفتاب
کیا تاب ہے کہ لا سکے اُسکی چمک کی تاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی تاب
دشمن اُسے جو رات کو دیکھے میان خواب
بھاگے ہزار رہ پہ نہ پائے مفر کہیں
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دم صبح سر کہیں

صفت صبح۔ از انیس

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے کوہ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک　　شرمائے جس سے اطلسِ زنگارئ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک　　ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربان صنعتِ قلمِ آفریدگار　　تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترجیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار　　ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محوِ قدرتِ رب العباد پر
مینا کیا تھا وادیٔ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا　　دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گُل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار　　پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گُل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم　　کوکو کا شور نالۂ حق سرہٗ کی دھوم
سُبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم　　جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

تصوف۔ اصطلاحات صوفیہ اور شاعری

دریا سے حباب کی ہے یہ صدا تو اور نہیں میں اور نہیں
ملجاؤں گا تجھ میں بعد فنا تو اور نہیں میں اور نہیں

انسان جو کچھ بھی ذی شعور ہے اُس کو یہی آرزو رہتی ہے کہ میں اپنے خالق کو پہچانوں۔ ہر عاقل اپنی زندگی کو چند روزہ اور مختصر جان کر یہی چاہتا ہے کہ میں اس کو صبر اور تحمل سے گذار کر اپنے خالق تک پہنچوں اور اُسی کی ذات میں جاملوں جس کا میں ایک جزو ناچیز ہوں۔ جن کا ایسا خیال ہے وہ خواہ اہلِ ہند ہوں خواہ اہلِ فارس صوفی کہلاتے ہیں۔ اُن کا طرزِ کلام ایک خاص قسم کا ہوتا ہے جس سے طالب علموں کو واقف ہونا چاہیئے تاکہ وہ ہندی اور فارسی شاعروں اور صوفیوں کے اسلوب بیان اور گفتگو سے پورا پورا حظ اُٹھا سکیں۔

کُل شاعری کی بنیاد عموماً جذبۂ محبت اور عشق پر ہے اور عشق سے مراد عشق حقیقی یعنی عشق الٰہی ہے بمقابلہ عشق مجازی یعنی محبت ابنائے جنس کی جو سب دنیاداروں کو ہوتی ہے۔ اس عشق الٰہی کو شاعر کفر کہتے ہیں اور کافر جناب باری کا عاشق ہے۔ عارف خدا کا بھیدی ہے۔ جب خدا کا طالب علم الیقین کے درجہ پر ہو تو عاشق کہلاتا ہے۔ مرشد کامل کی ہدایت اور اپنی توجہ اور ریاضت سے اس درجہ کو پہنچتا ہے۔ اِسی مرشد کامل کو پیر مغاں

کہتے ہیں۔ جو انسان کو اس کوچہ میں چلنے سے باز رکھیں یعنی قوائے نفسانی مثل نفس امارہ اُن کو رقیب کہتے ہیں۔

حُسن سے مراد خدا کی صفات ہیں۔ گُل اللہ کی پہچان ہے۔ بُلبل خدا کا عارف ہے چاہے علم الیقین چاہے حق الیقین کے رتبہ پر ہو۔ باغ عارفوں کا مجمع ہے۔ بہار روحانی تجلی اور حقیقی عاشقوں کا ولولہ ہے۔ صبا درمیانی عاشق اور معشوق کا اور الہام ہے۔ خزاں وہ لغزش ہے جو مبتدی عارفوں کو ہوا کرتی ہے۔ صیاد خدا کی یاد سے غفلت ہے۔ بسمل وہ شخص ہے جسے کسی قدر کیفیت باطنی حاصل ہو کر مسدود ہو گئی ہو۔

شراب سے مراد خدا کی پہچان اور محبت ہے۔ ساقی مرشد حقیقی ہے۔ جام عارف کامل کا دل ہے۔ ساغر حق کے تصورات میں محو ہونے کو کہتے ہیں۔ خمار خدا کے بھیدوں میں متحیر ہونا ہے۔ رند خدا کا سچا عاشق ہے۔ اُس کی عید حق الیقین کے درجہ پر پہنچنا اور معشوق کا وصل ہے۔ وصل یا وصال خدا کی ذات میں مل جانا ہے۔

قد سے خدا کی ذات مراد ہے۔ عشوہ خدا کے جمال کی روشنی ہے۔ رخسار خدا کی وحدت ہے۔ دہن خدا کا بھید ہے۔ غمزہ حالت اُمید و بیم کو کہتے ہیں۔ زلف کشش روحانی ہے اور جذب کشش الٰہی۔ چشم باطنی بصیرت ہے۔ اور روی تجلی توبہ ہے۔ نقاب وہ جو وصل کا مانع ہے۔

بُت وہ دل ہے جس سے ہستی کے مظہر کا اثبات ہو سکے۔ ابر وہ پردہ ہے جو دنیاداروں اور خدا کے درمیان میں واقع ہے۔ جُدائی دُنیاوی جھگڑوں میں پھنس کر عشق حقیقی سے

الگ رہنا ہے۔ گویا تکلفات دنیاوی کو چھوڑنا ہے۔ تعلق عاشق کا خدمت معشوق میں مقبول ہونا ہے۔ خلوت وہ وقت ہے جب عارف دنیوی اُمور سے مُنہ موڑ کر خدا کا دھیان کرے۔ زنّار ظاہری مذہب اور یکرنگی ہے۔

بوالہوس ظاہری اور مجازی عاشق کو کہتے ہیں۔ زاہد جو ریاکار اور معرفت حق سے ناآشنا ہے۔ محتسب ظاہر پرست کو کہتے ہیں۔ اور علیٰ ہذالقیاس ایسی چند اصطلاحیں اور ہیں لیکن اس قدر بیان کرنے سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ اہلِ تصوف اپنے طور کی توجہ اور ریاضت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کو وہ فنا فی اللہ ہونا کہتے ہیں۔ برخلاف اہل شریعت کے جو کتاب ربانی کے قائل اور پیرو ہوتے ہیں اور جن کو کسی کی شفاعت کی ضرورت رہتی ہے تاکہ نجات ہو۔

اکثر لوگ جو ان اصطلاحات سے ناواقف ہیں سمجھتے ہیں کہ ہندی اور فارسی شاعری لغو اور بیجا ہے اور مضامین عشقیہ جو اس میں بھرے ہیں وہ سب عشق مجازی جو مرد اور عورت میں ہوتا ہے ظاہر کرتے ہیں مگر ایسے ہیچ خیالات ان بزرگوں سے کیسے منسوب کئے جا سکتے ہیں جن کی کل زندگانی اور طرز معاشرت اس تہمت کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔ جن کے نفوس پاک ہیں اور وہم و خیال عالی ہیں اُن کی فکریں بھی بلند ہوتی ہیں اور جتنی بلند پروازی اہل تصوف نے شاعری میں کی ہے اور جس سے روحانی ترقی ہر طرح بہ مترتب ہوتی ہے وہ کسی اور ملک کی شاعری میں پائی نہیں جاتی ہے۔

یہ بات کہ کس شعر کے معنی حقیقی اور کس کے مجازی عشق متصور ہوں یہ دیکھ لینا بہت آسان ہے اگر شاعر نے کسی معمولی حقیقت حال کو بیان کیا ہے تو اس میں مجازی معنی کے سوا اور کہاں خیال دوڑ سکے گا اگر اُس نے فطری جذبات انسانی کی کیفیت دکھلائی ہے جو کہ اصل مقصد شاعری ہے تو جس قدر فکر کی جاوےگی اُسی قدر خیال دوڑیگا اور بلند پرواز کرے گا مگر شاعر عموماً بوالہوسی کے جذبہ کو برانگیختہ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور زہد خشک کی بھی تصویر کم کھینچتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کیفیات اور جذباتِ انسانی کے بیان میں عشق حقیقی کی روح پھونک دیتے ہیں اُستادوں کی غزلیں عشق حقیقی اور مجازی دونوں کا پہلو لئے رہتی ہیں تاکہ محبت اور نیکی کی جانب ولولہ اور جوش عام لوگوں میں بھی پیدا ہو اور عوام کے جذبات پاکیزہ ہو جاویں۔ چونکہ سچا شاعر خود دل میں عشق حقیقی کی آگ رکھتا ہے اس لئے اُس کے کلام میں اصلی گرمی ہوتی ہے کچھ تصنع اور بناوٹ کی نہیں ہوتی۔ شعراء عارف اور کامل لوگوں کو رند اور میخواروں کے بھیس میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور دف اور چنگ کے پردے میں غیبی اسرار اور صوفیانہ رموز کے نغمے گاتے ہیں جن سے انسان کے دل کو ازحد خوشی اور سرور روحانی حاصل ہوتا ہے جو کہ مآل کار زندگی ہے اسلئے شاعروں کا رتبہ بہت بڑا ہے اور ان کو لسان الغیب اور تلامیذ الرحمٰن کہا ہے۔